Volume:12 Issue: 1 January 2019

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

عنوان	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
درسِ قرآن	سورۃ النور اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے رہنما اصول	مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	اُخوتِ اسلامی کے تقاضے	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۷
پیشِ گفتار	چند برگزیدہ ہستیاں جو اب ہمارے۔۔۔۔	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۹
گوشۂ سیرت	بچوں کی تربیت سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے۔۔	مفتی عبد العزیز اللّحجی قاسمی	۲۲
اصلاحی مضامین	بچوں پر کارٹون کے منفی اثرات	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۲۷
فکر و نظر	آزادیٔ مذہب اور آئینِ ہند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ	۳۰
دعوتِ فکر و عمل	یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی	مولانا مفتی محمد صادق حسین قاسمی	۳۵
منظوم کلام	نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	مولانا مفتی اکرام الحسن مبشر قاسمی	۳۸
راہِ حق	گنگا سے زم زم تک	مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ	۳۹
نقوشِ رفتگاں	حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی رحمہ اللہ	مولانا محمد عبد الرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۲
فقہ و فتاویٰ	وضو سے متعلق چند احکام	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۸
خبرنامہ	عالمِ اسلام کی خبریں	ادارہ	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

سورۃ النور اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے رہنما اصول

مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ① (سورۃ ال عمران)

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور جس کے احکام کو ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (سورۃ النور:۱)

تشریح: قرآن مجید کی سورتوں میں سورۃ النور ایک ایسی سورت ہے جس کے مضامین کے نزول کا مقصد ہی معاشرہ سے بے راہ روی، بے حیائی و بے شرمی کو ختم کر کے ایک صالح معاشرہ کو وجود بخشنا ہے اور اس سورت کے احکامات ہی کچھ اس خاص انداز سے بیان فرمائے گئے ہیں کہ اگر معاشرہ ان احکامات و ہدایات پر عمل کرے گا تو سماج میں امن و امان، تہذیب و شرافت کا بول بالا ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: علموا رجالکم سورۃ المائدۃ وعلموا نساءکم سورۃ النور اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور عورتوں کو سورۃ النور سکھلاؤ، حضرت حارثہ بن مضربؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ہم کو خط لکھ کر حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النساء اور سورۃ احزاب کی تعلیم دو، ایک دوسری روایت میں حضرت عمر بن خطابؓ کا اہل کوفہ کو خط کے ذریعہ یہ حکم دینا بھی ثابت ہے کہ اے کوفہ والو! اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھلاؤ۔

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت نے اور حضرت عمر فاروقؓ کی دور بینی اور فراست ایمانی نے اس سورت کو معاشرہ کی عفت و عصمت اور امن و امان کا ضامن، نیز صالح سماج کا نقیب سمجھا اسی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اس سورت کے سیکھنے کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دلائی اور حضرت عمر فاروقؓ نے اہل کوفہ کے نام اس سورت کے سیکھنے کا حکم نامہ جاری فرمایا۔

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

آج مسلم معاشرہ اسلامی تہذیب سے متنفر ہو کر یورپین تہذیب کو اپنی ترقی، مغربی کلچر کو اپنی منزل، انسانیت سوز اعمال و افعال کو اپنا عروج و کمال اور فکری ارتقاء تصور کرتا ہے، حالاں کہ اس برہنہ تہذیب کو جس قوم نے جنم دیا تھا وہی آج اس پر ماتم کناں ہے، اس تہذیب میں عورتوں کی عفت و عصمت کا پاس و لحاظ ہے نہ اپنی نسل کی حفاظت کا جذبہ، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اس تہذیب کے درجنوں مضرات و نقصانات کو اپنی نگاہوں سے دیکھ کر اور اس کی قباحتوں کو اپنی زبان سے بیان کر کے بھی ہمارے معاشرہ کے بعض روشن خیال لوگ طوطا چشمی سے کام لیتے ہیں دیدہ و دانستہ اپنی اولاد اور اپنے خانوادہ کو اس میں جھونک کر دنیا والوں کو بزعم خویش اپنی بلندی اور ترقی کا نظارہ کرواتے ہیں، رہی بات اس کے مضر اثرات کی تو وہ جس قدر معاشرہ پر اثر انداز ہو رہے ہیں کسی اہلِ خرد و اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

آج بھی سورۃ النور خاندان کے ہر ذمہ دار کو توجہ دلا رہی ہے کہ اپنے معاشرہ میں بے حیائی و بے شرمی کی جگہ حیا اور پاکدامنی پیدا کرنا ہو تو اس کو پڑھو اور سمجھو اور اپنے گھر کے ہر ہر فرد کو خصوصاً خواتین کو سمجھاؤ، اس پر فتن دور میں نہ ہماری نگاہیں محفوظ ہیں اور نا ہمارے دل و دماغ صاف ستھرے، بہن بھائی سے محفوظ نہیں، بیٹی کا تقدس باپ سے پامال ہو رہا ہے، بھتیجی کا دامن اپنے ہی چچا سے داغدار ہو رہا ہے کہیں زر پر نیت خراب ہے تو کہیں زن پر، چاہے وہ خونی رشتہ داروں کے ہوں یا پرایوں کے، اس درد کا درماں اور مرضِ کہن کا علاج اس سورت میں موجود ہے، جب معاشرہ کا ہر ذمہ دار فرد اپنے خاندان کی اصلاح اور ان کو اسلامی تہذیب سے آراستہ کرنے کا عزم مصمم کر لے گا اور پوری احساسِ ذمہ داری سے حیا و پاکدامنی کا درس دے گا ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھ کر حکمت و دانائی کے ساتھ ان کے حال کی اصلاح کی فکر میں جٹا رہے گا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا ایک صالح مسلم معاشرہ دیکھے گی، اور ایسے مناظر دیکھنے کو ملیں گے اور نہ ایسے واقعات سننے کو جو نہ صرف انسانیت کے لئے ننگ و عار ہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے بھی رسوائی کا سبب ہیں۔

بے حیائی و بے شرمی کے اس روز افزوں دور میں اپنے مسلم سماج کو ان حیا سوز واقعات سے بچانا ہو تو صرف قانون سازی ان جرائم کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ہر احساس رکھنے والے کو آگے آنا ہوگا خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ حیا و پاک دامنی کا مسلسل درس دے کر دل و دماغ کے غلط رجحانات و میلانات کا رخ موڑنا ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب پر فطری حیا و پاک دامنی کو غالب فرمائے، اور ہمارے سماج کو نیک و صالح بنائے، سماج کے ذمہ داروں میں احساس زیاں پیدا فرما کر معاشرہ کی بے راہ روی کا رخ موڑنے اور سیدھی راہ پر لانے کے لئے حسن تدبیر، حسن کلام اور حکمتِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

اُخوتِ اسلامی کے تقاضے

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ المسلمُ أخو المسلِمِ لا یَظلِمُهٗ و لَا یخذُلُهٗ و لا یحقِرُه التقویٰ هَاهُنَا وَیُشِیرُ إلیٰ صدرِهٖ ثَلاثَ مراتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّن الشَّرِّ أن یحقِرَ أخاهُ المسلِمَ کُلُّ المسلِمِ علی المسلِمِ حرامٌ دَمُهٗ و مَالُهٗ وَعِرْضُهٗ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم وزیادتی کرے، نہ بے یارومددگار چھوڑے، نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ یہاں ہوتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرما کر یہ بات ۳؍دفعہ فرمائی، ایک مسلمان کی جان، مال اور اس کی عزت وآبرو دوسرے مسلمان کے لئے قابلِ احترام ہے۔

تشریح: آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ امت کو نہایت اعلیٰ صفات کا حامل بنانے کی سعی بلیغ فرمائی، جو کوئی آپ کی معاشرتی ومعاملاتی ہدایات میں جتنا غور کرے گا اس کا دل دوسرے بندگانِ خدا کے ساتھ ہمدردی وغم خواری، اعانت ونصرت، نصح وخیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہوتا جائے گا، اور جو شخص اپنی عملی زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری تعلیمات کی شرابِ طہور سے سیراب کرتا جائے گا، اس کا معاشرہ اور ماحول اتنا ہی خوش گوار ہوتا جائے گا، اخوت ومساوات، محبت ویگانگت، راحت وعافیت کے آثار اجتماعی زندگیوں میں نمایاں طور پر نظر آئیں گے، اور مسلم معاشرہ میں اختلافِ طبائع، اور فکری ونظری بُعد کے باوجود صبر وتحمل، اور حلم وبردباری، اکرام مسلم بلکہ احترامِ انسانیت کو پروان چڑھنے اور اخلاقی بلندیوں کا سفر طے کرنے کا موقع ملے گا۔

مذکورہ حدیث میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کو باقی رکھنے کے لئے مسلمانوں کو معاشرتی طرزِ حیات کی تعلیم فرمائی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یعنی جیسے دو حقیقی بھائیوں میں محبت ومودت، آپسی رکھ رکھاؤ، ایک دوسرے کی ہمدردی وبہی خواہی بلکہ آڑے وقت کام آنے کے احساسات پائے

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

جاتے ہیں، یہی تأثر ایک مسلمان کے ساتھ ہونا چاہیئے، چاہے اس سے کوئی قرابت داری و یارانا نہ ہو، خواہ وہ پڑوسی ہو یا نہ ہو لیکن اخوتِ دینی قائم ہے، اسی اسلامی رشتہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا : اپنے مسلمان بھائی پر ظلم وزیادتی نہ کرے، یعنی نہ اُسے جسمانی اذیت دے نہ ذہنی تکلیف دے، نہ اس کا مال چھینے نہ اس کو بے آبرو کرے، نہ اس کا حق دبائے نہ اس پر کسی قسم کا بار ڈالے، نہ اُسے بلاوجہ قید کرے نہ پریشانی واُلجھن میں مبتلا کرے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ : اُسے بے یار و مددگار نہ چھوڑے، یعنی اگر کسی ظالم کے ظلم سے بچنے یا اپنی کسی حاجت برآری کے لئے وہ آواز دے تو دوسرا مسلمان ممکنہ حد تک اس کی مدد واعانت کرے، اگر کوئی اُسے ناحق قتل کا منصوبہ بنائے تو اس کو آگاہ کر کے بچائے، کوئی تہمت لگا کر بے عزت ورسوا کرے، تو اس کی پاک دامنی کی شہادت دے، اگر اپنے پاس مالی گنجائش ہو اور وہ غریب ہو تو اس کی مالی امداد کرے، سوال کی ذلت ورسوائی سے بچانے کی سعی کرے۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ : اس کو حقیر نہ جانے یعنی اسے کسی عملی کوتاہی میں دیکھے تو اس کو حقیر نہ جانے، نہ اس کے کسی خلقی عیب کا مجمعوں میں ذکر کر کے اس کا مذاق اُڑائے، اس لئے کہ کسی کا ظاہری عیب اس کے عنداللہ نامقبول ہونے کی علامت نہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ شخص جسے حقیر سمجھا جارہا ہے اپنے باطنی اعمال کی وجہ سے اللہ کا مقرب ہو اور دوسروں سے اس کا رُتبہ بڑھا ہوا ہو، کیوں کہ مقبولیت کی اساس تقویٰ پر ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور تقویٰ فعل قلب ہے، اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین دفعہ فرمایا التقوی ھٰھنا اور قلب کی طرف اشارہ کیا۔ مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ آدمی کے بُرا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کی تحقیر کرے، کیا خبر کہ اس کا دل عظمت الٰہی سے سرشار ہو اور گناہوں اور معاصی سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور عنداللہ مقبول بندہ ہو بلکہ کسی بے ایمان کو اس کے کفر وشرک کی وجہ سے بھی حقیر نہ سمجھے، یہ ممکن ہے کہ قبل الموت وہ ایمان سے مشرف ہو جائے اور جنت کا مستحق ٹھہرے، اور خدانخواستہ مسلمان زندگی بھر مومن رہ کر بوقت آخر محروم ہو جائے، انما العبرۃ بالخواتیم۔

اس ساری گفتگو کا حاصل آخر میں بیان فرمایا کہ مسلمان کی جان، مال، عزت وآبرو سب قابلِ احترام ہے کہ اُسے ناحق قتل کرنا، اس کا مال ضائع کرنا، اور اُسے رُسوا کرنا کسی دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان قیمتی نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

چند برگزیدہ ہستیاں جو اب ہمارے درمیان نہ رہیں

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہ نستعین

گذشتہ تھوڑے عرصے میں متعدد اہل علم وفضل دنیا سے رخصت ہو گئے، دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب تمام ہی مسلمانوں کا حق ہے لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کا ذکرِ خیر اُن کے چھوٹوں پر حق لازم ہوتا ہے، یہ عاجز آج کی محفل میں ایسی ہی چند شخصیتوں کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی رحمہ اللہ

مولانا موصوف سے میرے نہ زیادہ قریبی تعلقات تھے اور نہ ہی دیرینہ! البتہ کافی عرصے سے ان کے مضامین مختلف جرائد میں نظر سے گذرتے رہتے تھے، انہی کے حوالے سے غائبانہ طور پر اُن کا عقیدت منداور قدرداں تھا، جب وہ عملی سیاست میں قدم رکھتے ہوئے ایوانِ زیریں کے باقاعدہ رُکن بن کر اپنے حلقے میں اس منصب کے ذریعے دینی وعلمی خدمات کے علاوہ سیاسی وسماجی میدانوں میں بھی نمایاں خدمات انجام دینے لگے تو لوگوں سے اس کا تذکرہ سُن کر مزید قدر ہوئی اور ملاقات کا جی چاہنے لگا۔

سٹی جمعیت علماء حیدر آباد نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک جلسے کے لئے مولانا کا وقت لینا چاہا تو ایک مرتبہ ناسازیٔ صحت کی وجہ سے ملتوی ہوا، دوبارہ کوشش کرنے سے وقت مل گیا، وہ حیدر آباد تشریف لائے تو خوش قسمتی سے میزبانی کا شرف اسی عاجز کو حاصل ہوا اور مولانا کا قیام اشرف العلوم میں تجویز ہوا، اس وقت انہیں قریب سے دیکھنے، ان کی ملنساری، عاجزی، سادگی، حاضر دماغی، وسعتِ علمی اور عمل کی پختگی کا کچھ اندازہ لگانے کا موقع ملا، بیان میں شرکت ہوئی تو اندازِ بیان کی سادگی اور ملت کی ہمدردی، دل سوزی سے متأثر ہوا، اس دن مولانا نے سیرت کے مختلف گوشوں کے حوالے سے سماج کی اصلاح اور معاشرے کی درستگی پر تفصیلی گفتگو فرمائی

تھی؛اس سے ان کے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ سماج کے بدلتے احوال پر گہری نظر کا اندازہ بھی ہوا،اگلی صبح مدرسے میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے بہت قیمتی اور علمی ارشادات فرمائے،علم میں وسعت و تعمق اور روحانیت میں پختگی و کمال کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا''عالم جب تک روشن ضمیر اور بیدار مغز نہیں ہوتا وہ عالم کہلانے کے قابل نہیں ہے''فرمایا''روشن ضمیری سے مراد دل کا تعلق مع اللہ اور یادِ الٰہی سے آباد ہونا ہے اور بیدار مغزی کا مطلب وسعتِ مطالعہ اور تدبُّرِ کتاب وسنت کے ذریعہ حق و باطل پر نظر رکھنے اور تمیز کرنے کی صلاحیت کا پیدا ہونا ہے،جو غفلت ولاپروائی کے ساتھ کبھی پیدا نہیں ہوسکتا،اس لئے طلبہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل ودماغ دونوں کو ان کی غذا پہونچاتے رہیں اور ایامِ تعلیم کو لغو ولایعنی کے حوالے ہونے نہ دیں۔

مولانا کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ اُن کی واپسی کے بعد ہم تو اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے مگر وہ برابر ہر آنے جانے والے سے سلام و پیغام بھجواتے رہتے،کبھی کبھی تو باوجود اپنی پیرانہ سالی اور مشاغل سیاسی و عملی کے فون پر خیر خیریت بھی لے لیا کرتے تھے،ہر مہینہ اشرف الجرائد کے لئے کوئی نہ کوئی مضمون بھجوا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ گلبرگہ میں کوئی پروگرام تھا،حیدرآباد ہوکر ہی جانا تھا اپنے خادم سے اطلاع کروائی کہ ایر پورٹ سے مدرسہ پہونچوں گا اور ناشتہ اشرف العلوم میں کرکے آگے کا سفر ہوگا،میں نے کہا''خوش آمدید''مولانا تشریف لائے،دلّی سے سخت سردی میں سفر شروع ہوا تھا،حیدرآباد میں گرمی تھی،ناشتہ تیار تھا،فرمایا''پہلے اپنے گرم کپڑے تبدیل کروں گا،اس کے بعد ناشتہ ہوگا،چناں چہ ناشتہ ہوا،اور دورانِ ناشتہ بزرگوں کا تذکرہ چھڑ گیا، فرمایا''ہم لوگ جب دارالعلوم میں پڑھتے تھے تو جمعہ کے دن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے ملنے جایا کرتے تھے،مولانا ایم پی تھے اور جو تنخواہ اس وقت اُن کو حکومت سے ملا کرتی تھی اس میں سے ایک پائی بھی اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے،تمام رقم مجاہدینِ آزادی میں تقسیم فرمایا کرتے تھے،ہم لوگ خود کئی مرتبہ منی آڈر فارم لکھے ہیں''۔

اپنے بارے میں فرمایا:''الحمد للہ میں حتی المقدور دیانت کا اہتمام کرتا ہوں،اکلِ حلال کا اہتمام کرتا ہوں، یہی نہیں تو پھر کیا دین ہے؟ایک مرتبہ سونیا جی نے مجھ سے کہا کہ آپ نے تو کشن گنج میں ہمارا کوئی جلسہ ہی نہیں کروایا،میں نے فوراً اُن سے کہہ دیا کہ میرے پاس پیسہ نہیں ہے،غریب آدمی ہوں،اگر آپ پارٹی فنڈ سے اخراجات جاری کردیں تو میں لاکھ آدمیوں کو جمع کرنے کا ذمہ دار ہوں،انہوں نے حیرت سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا،ان لوگوں نے بھی کہہ دیا کہ ان کی بات صحیح ہے،یہ مولوی صاحب ہیں،چناں چہ میڈم نے پارٹی سے اخراجات اٹھانے کا حکم جاری کیا،میں نے بھی شاندار جلسہ کروا دیا،میں اپنی تنخواہ ضروریات میں استعمال

کر لیتا ہوں آگے پیچھے بہت خرچ رہتے ہیں، مگر کسی ذریعہ سے کوئی رقم نہیں لیتا، کسی کا کام کروانے کا کوئی ہدیہ قبول نہیں کرتا“۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کا ذکر نکل گیا تو فرمایا ”ہمارے اساتذہ بہت شفیق، مہربان اور طلبہ کے خیر خواہ ہوا کرتے تھے، ایک دن ہم استاذ کو لینے کے لئے اُن کے گھر پہونچے تو سامنے تپائی پر کتاب کھُلی رکھی ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے خاموش بیٹھے ہوئے تھے، ہمیں دیکھ کر سر اُٹھایا اور فرمایا بیٹا! مطالعہ کر چکا ہوں سبق بھی سمجھ چکا ہوں، مگر کس طرح سمجھانا چاہئیے یہ کام ابھی پورا نہیں ہوسکا، کوئی آسان ترتیب ذہن میں مرتب نہیں ہو پائی ہے، اسی طرح پڑھادوں تو تم لوگوں کا نقصان ہوگا، انشاء اللہ کل تک مطمئن ہو کر کل ہی پڑھاؤں گا؛ ایسے تھے ہمارے اساتذہ! جب تک خود مطمئن نہیں ہوتے تھے محض ضابطے کا کام نہیں کرتے تھے، آج کل کہاں یہ احساس ہے اساتذہ میں“۔

اسی ضمن میں ایک اور دلچسپ حکایت سناتے ہوئے فرمایا: ”رمضان کی چھٹیاں ہوگئیں تو ہم لوگ اگلے سال کی تیاری کرنے کے لئے مدرسے ہی میں رہ گئے، عید الفطر کے روز نماز پڑھ کے گھومنے نکلے تو ایک استاذ کی ہم لوگوں پر نظر پڑ گئی، یہ استاذ بہت سخت مزاج مشہور تھے، پٹائی بھی خوب کرتے تھے، جیسے ہی نظر پڑی انہوں نے آواز دے کر ہم لوگوں کو طلب کر لیا، ہم سمجھ گئے کہ سڑکوں پر گھومنے کے حوالے سے اب اچھی خاصی پٹائی ہوجائے گی، ڈرتے ڈرتے جب قریب پہونچے تو فرمایا ٹھہرے رہو، ابھی آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد گھر میں سے دو پیالوں میٹھا لے کر تشریف لائے اور چبوترے پر بٹھا کر ہمیں کھلایا، پھر دو دو روپئے ہمیں دے کر یوں فرمایا: عید کا دن پردیس میں گذار رہے ہو، ماں باپ سے دور ہو، بازار میں اپنی مرضی سے کچھ خرید کر کھالینا، یہ کہہ کر رخصت کر دیا، یقین مانو، اس پدرانہ شفقت اور طلبہ پر رحمت کو دیکھ کر ہم لوگوں کو جو خوشی ہوئی وہ عید کی خوشی سے کہیں بڑھ کر تھی، آج بھی یاد کرتا ہوں تو عجیب خوشی ہوتی ہے۔

پھر باتیں ان کی سماجی وسیاسی خدمات کی نکلیں تو ان کی بھی تفصیلات سنائیں، جنہیں جان کر پتہ چلا کہ ان کی علمی وفکری خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، بالخصوص اپنے حلقے میں دینی وعصری تعلیم کے لئے مولاناؒ کی ممکنہ مساعی اور اُن کے ثمرات قوم پر وہ احسانِ عظیم ہے جس کے شکر سے قوم کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتی، مولاناؒ ہی فرمارہے تھے کہ جب وہ دوسری مرتبہ الیکشن لڑ رہے تھے تو علاقے کے بریلوی لوگوں نے اُن سے آکر کہا مولانا ہم آپ کے مسلک سے متفق نہیں ہیں لیکن ووٹ آپ ہی کو دیں گے، کیوں کہ آپ نے تعلیم سے محروم اس علاقے کو تعلیمی سرگرمیوں سے معمور کر دیا ہے، یہاں تک کہ علاقے کے غیر کانگریسی وزیرِ اعلیٰ کو بھی اپنی تعلیمی

سرگرمیوں کا قائل کر کے تعاون پر آمادہ فرمالیا تھا، نمازوں کے بارے میں پوچھنے پر فرمایا "جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو پارلیمنٹ کی کسی بھی راہ داری میں رومال بچھا کر نماز پڑھ لیتا ہوں، کبھی کبھی ایک دو اور ممبران شامل ہو جاتے ہیں تو جماعت کر لیتا ہوں، اللہ کی توفیق سے بروقت نماز ادا ہو جاتی ہے۔"

اور کیوں نہ ہوتیں وہ ایک عالم باعمل ہی نہیں صاحبِ نسبت بزرگ تھے، انہوں نے اکابر علماء اور اولیاء کاملین سے علم حاصل کیا تھا، ان بزرگوں کی صحبت ہی کیا کم تھی روحانی تاثیر کے لئے! اس کے باوجود تزکیہ وتصفیہ کے ذوق نے انہیں باقاعدہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور اُن کے بعد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ جیسی روحانی ہستیوں سے وابستہ رہنے پر مجبور کیا جن کی نگرانی میں منازلِ تصوف وسلوک کی تکمیل فرمائی اور فیضان جاری رکھا۔

ماشاءاللہ! مولاناؒ کے تلامذہ کی طرح مُریدین ومستفیدین کا بھی کافی بڑا حلقہ ہے، یقیناً ان کی خدماتِ جلیلہ کے یہ علمی، روحانی، سماجی اور دستاویزی باقیاتِ صالحات ان کا ذخیرہ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوگا۔ وہ ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی یادیں اور کارنامے ہمیشہ باقی رہیں گے، حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب قاسمی رحمہ اللہ

میرے نہایت شفیق ومہربان اساتذۂ کرام میں سے ایک تھے، آج سے کوئی آٹھ دہے قبل سن ۱۳۶۲ھ میں اپنے وطن سنسار پور کے ایک انصاری خاندان میں پیدا ہوئے، والد گرامی مرحوم رمضان علی صاحب جو ایک کاشتکار ہونے کے باوجود نہایت ذاکر وشاغل اور اہل علم کے قدرداں تھے، انہوں نے اسی لئے اپنے اس خوش نصیب نومولود کو علم دین اور خدمتِ دین سے وابستہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، جب حضرت الاستاذؒ کی عمر پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو ابتدائی قرآنی تعلیم اپنے گاؤں سنسار پور ہی میں دلوائی پھر حفظِ قرآن کریم کے لئے جامع مسجد لکھیم پور کے مدرسے میں داخل کروایا، خوش قسمتی سے انہیں ابتداء ہی سے جیّد ومُجوّد اساتذہ ملے اور اسی وجہ سے جہاں ان کی تحفیظ وپختگی اعلیٰ درجہ کی تھی وہیں تجوید وقرأت میں بھی کمال حاصل تھا، حفظ قرآن کریم کے بعد عالمیت کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے وہ نور العلوم بہرائچ بھیجے گئے، جہاں انہوں نے ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی، نحومیر تک اس مدرسے میں تعلیم حاصل کر کے مرکز علم وعمل دارالعلوم دیوبند پہونچے، دارالعلوم میں انہوں نے ہدایۃ النحو سے دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم اپنے وقت کے اکابر اساتذہ وشیوخ سے حاصل کرتے ہوئے سن ۱۳۸۶ھ میں سندِ فراغت حاصل کی، حضرت الاستاذؒ کے اساتذۂ کرام میں حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ، فخر المحدثین شیخین حدیث، علامہ انظر شاہ کاشمیری ومولانا نصیر احمد خان صاحب جیسے

عبا قرۂ علم وفن شامل ہیں۔

فراغت کے بعد مختصر سی مدت تک بعض مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی لیکن سلامتی طبع اور سدادِ فکر نے انہیں کشاں کشاں حضرت محی السنہؒ کی خدمت میں ہردوئی پہونچا دیا، پھر حضرت محی السنہؒ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ جواں عمری سے لے کر پیرانہ سالی بلکہ دمِ واپسیں تک انہیں کے ہو کے رہ گئے، اطاعت و وفاداری کا یہ عالم تھا کہ حضرت محی السنہؒ نے جہاں بھیج دیا وہاں چلے گئے وطن سے بے وطن ہوئے، جو کام دیا کر لیا، جو ذمہ داری دی خوش اسلوبی سے نبھایا، کبھی حیدرآباد، کبھی بھوبنیشور، کبھی بلگرام تو کبھی ہردوئی۔

این چنیں شیخے گدائے کو بہ کو
عشق آمد لاأبالی فاتقوا

کا مصداق بنے اور بال بچوں کو لئے مارے مارے پھرتے رہے، درمیان میں تو کچھ دن کے لئے اپنے گاؤں ہی میں رہائش اختیار کر کے کھیتی باڑی کا کام بھی کیا، خود ہی فرماتے تھے، کھیتی بھی جب میں نے کی تو اس سلیقے سے کی کہ گاؤں کے کاشتکار حیران رہ گئے، کیوں کہ طبعی طور پر وہ نہایت نفاست پسند اور سلیقہ مند آدمی تھے

قرآن مجید کے جید حافظ تو بہت ہوتے ہیں حضرت الاستاذؒ کو قرآن کریم کی تلاوت کا بھی بہت ذوق تھا، تہجد میں، سنن ظہر میں اور اوابین میں بہت اہتمام سے تلاوت کرتے تھے، پڑھتے بھی بہت عمدہ تھے، پڑھاتے بھی خوب تھے، راقم سطور کو بھی ان سے حفظ کرنے کا شرف حاصل ہے، اُن کے اکثر تلامذہ بہترین قرّاء وحفاظ شمار کئے جاتے ہیں، یاد کا یہ عالم تھا مجھے ابھی جدہ میں اُن کے ایک شاگرد ملے تو اپنا یہ واقعہ سُنانے لگے کہ آموختہ سناتے ہوئے انہیں اشتباہ ہوا، حضرت الاستاذ نے روک کر فرمایا یہاں مجھے اشتباہ ہو رہا ہے یا تمہیں؟ اگر مجھے ہو رہا ہے تو میں ہزار رکعت نفل پڑھوں گا اور اگر تمہیں ہو رہا ہے تو تم سو رکعت نفل پڑھنا؛ اس کے بعد قرآن کریم کھول کر دیکھا گیا تو مجھے ہی اشتباہ ہو گیا تھا، غلطی تو سمجھ میں آ گئی لیکن میں نے استاذؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے لئے ہزار رکعت کیوں کہا میرے لئے سو رکعت کیوں؟ فرمایا میں چوں کہ استاذ ہوں اور استاذ ہو کر یاد میں کمی ہے تو مجھے زیادہ سزا ملنی چاہئے تم ابھی پڑھ رہے ہو تم سے غلطی ہو سکتی ہے اس لئے تمہاری سزا کم رکھی، اس واقعے سے جہاں ان کی تدریسی حکمتوں اور تلامذہ سے بے تکلفی کا پتہ چلتا ہے وہیں اپنی یادداشت پر اعتماد اور حفظ و پختگی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ابتداءً بہت بارُعب رہتے تھے، میرے بچپن میں جب وہ حیدرآباد فیض العلوم بھیجے گئے تو میں چھوٹا تھا اور ناظرہ قرآن پاک پڑھتا تھا، حفظ میں نے انہی کے پاس شروع کیا، میرے ساتھ تو بہت ہی شفقت ومحبت

کا معاملہ تھا، بلکہ کالاولاد سلوک کرتے تھے، یہاں تک کہ دوپہر میں کھانا بھی اُن کے گھر میں اکثر میری فرمائش سے پکتا تھا، لیکن میں مدرسے میں اُن کے رُعب وجلال کو دیکھتا تھا کہ کتنا ہی شوروغل طلبہ نے کر رکھا ہو جیسے ہی وہ مدرسے میں داخل ہوتے ایک سنّاٹا چھا جاتا تھا، اُن کے کھنکھار کی آواز پوری درسگاہ میں نظم قائم کردیتی تھی۔

مگر یہ رُعب ودبدبہ بس مصنوعی قسم کا تھا ورنہ بہت ہی شفیق ورقیق دل کے انسان تھے، ایک مرتبہ طلبہ کو تفریح کے لئے قریبی پہاڑ پر لے گئے وہاں بعض طالب علموں نے قابلِ سزا شرارتیں کی تو واپسی کے بعد مدرسے میں اُن کی چھڑی سے پٹائی کی، پٹائی تو کردی مگر خود انہیں بڑا املال ہوا، تمام طلبہ کو دالان میں جمع کرکے مختصر وعظ کیا، تعلیم وتربیت کی راہ میں پچھلے لوگوں کے مجاہدات اور اُن مجاہدات کے قیمتی ثمرات کا تذکرہ فرمایا، اسی سلسلے میں حضرت ابوسعید گنگوہی اور نظام الدین بلخی رحمہا اللہ کا واقعہ اس درد سے سنایا کہ خود ہی بلکنے لگے، مجھے کم سنی کے باوجود وہ منظر اس قدر متاثر کیا اور وہ واقعہ ایسے محفوظ ہوا کہ آج تک دل پہ نقش ہے، اور اس کی وجہ سے دل میں اُن کی جو عظمت جاگزیں ہوئی وہ کبھی دل سے جُدا نہ ہوسکی۔

حیدرآباد میں وہ متعدد مرتبہ بھیجے گئے تھے، جس زمانے میں میں مدرسہ فیض العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا وہ اس وقت بھی بہ حیثیت نائب ناظم حیدرآباد تشریف لائے تھے، اُن کے ماتحت کام کرنے کا بھی موقعہ ملا، اس زمانے میں بہت سے تجربات اُن کے ذریعہ بھی حاصل ہوئے، انتظامی امور میں بھی انہیں خوب تجربات تھے لیکن تدریسی مہارت اُن کا وصفِ امتیازی تھا، تدریس کے علاوہ فن خطاطی میں بھی بہت مہارت تھی میرے حفظ کے زمانے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام نہایت خوبصورت عربی رسمُ الخط میں کتابت کرکے درجۂ حفظ میں آویزاں کیا تھا، خط وکتابت میں بھی بہت خوب صورت قلم چلتا تھا، میں نے اپنی تحریر والد ماجدؒ کے علاوہ اُن کی تحریروں کی بھی نقل کرکے درست کی تھی۔

آخر میں مستقل طور پر اُن کا قیام ہردوئی میں رہنے لگا تھا، پھر حضرت والا رحمہ اللہ نے کہیں تبادلہ نہیں کیا، افرادِ کار اور مزاج شناس لوگوں کی کمی ہوتی جارہی تھی، حضرتؒ نے اُن پر دعوۃ الحق اور اشرف المدارس دونوں دفاتر میں نائب نظامت کی ذمہ داری رکھ دی تھی، وہ تھے بھی یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنے والے آدمی؛ حضرت محی السنہؒ کی حیات میں اور بعد میں بھی جب ہردوئی جانا ہوا حضرتُ الاستاذؒ سے ضرور ملاقات ہوتی رہتی تھی، مہمان خانے سے ہمارے کھانے کا نظم کا اطمینان کرتے رہتے، مہمان خانہ پہونچ کر معلوم کرلینے کے علاوہ گھر پر بھی یہ کہہ کر مدعو کرتے تھے کہ ”آپا تمہیں یاد کررہی ہیں فلاں وقت کھانا گھر جاکر کھالینا“، کبھی خود بھی شریک ہوجاتے اگر مدرسے کی مصلحت ہوتی تو ہم ہی جاکر بچوں کے ساتھ کھالیا کرتے تھے، از راہِ شفقت

کبھی ہدیہ بھی عنایت فرماتے، غرض! رشتۂ تلمذ کو وہ رشتۂ خونی وحقیقی کی طرح نبھاتے تھے، اللہ غریقِ رحمت فرمائے۔آمین

حضرتُ الاستاذ کی اہلیہ محترمہ بھی اپنے بچوں کی طرح مہربان تھیں، میری والدہ کو ہمیشہ بڑی بہن سمجھتی رہیں اور ہم سب گھر والوں سے قریبی تعلق رہا، اس عاجز کی دینی خدمات کو سُن کر بہت خوش ہوتی اور ڈھیر ساری دعائیں دیتی رہتی ہیں، گریہ وبُکا کا غلبہ ہے، ہمیشہ نیک تمناؤں اور خیر کی دعاؤں سے نوازتے رہنا حاضراً وغائباً اُن کا مجھ پر احسان عظیم ہے، اللہ پاک انہیں سلامت باکرامت رکھے اور مصیبت کی اس گھڑی میں صبر وثبات سے امداد فرمائے۔آمین

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ بھی مجھ سے بہت خوش تھے، آنکھ کا آپریشن ہوا مجھے دیر سے اطلاع ملی تو میں نے فون کرکے عدمِ عیادت کی معذرت پیش کی، حضرت فرمانے لگے، ”اب بالکل ٹھیک ہوں، آپریشن کامیاب ہوا ہے، معذرت کی ضرورت نہیں، میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہار دینی خدمات سے بھی بہت خوش ہوں“ حیدرآباد کبھی کبھار تشریف لاتے تھے وہ بھی اکثر فیض العلوم میں ممتحن کی حیثیت سے تشریف لاتے تھے، اس لئے ملاقات سرسری ہی ہوتی، گھر لے جانے کا موقع بھی نہ ملتا مگر اس آخری مرتبہ کا سفر حیدرآباد گھر والوں کے ساتھ محض آرام کی غرض سے فرمایا تھا، اس موقعے سے اس عاجز کے گھر بھی تشریف لائے، کچھ گھر میں قیام فرمایا، کچھ مدرسے میں بھی آرام کیا، بلکہ میری خواہش پر سفر کرکے ادارے کی دیہی شاخوں میں تشریف لے گئے، میرے لئے فخر کی بات یہ ہے کہ جہاں گئے وہاں کے نظم ونسق سے بہت مسرور ہوئے؛ بہت دعائیں دیں، میں تھکن سے ڈرتا رہا، مگر انہوں نے فرمایا ''میرا جی لگ رہا ہے اور خوشی ہورہی ہے''۔تاہم کیا پتہ تھا کہ حضرتُ الاستاذ کے ساتھ یہ خوش گوار سفر اور سرور افزا رفاقت آخری ثابت ہوجائے گی اور ہم پھر صبح قیامت تک کبھی ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گے، سچ ہے ۔

من درچہ خیالم وفلک در چہ خیال

مبارک ماہ ربیع الاول کی بیس تاریخ کو یہ راقمِ آثم کسی سفر پر تھا، دورانِ سفر حضرت کے صاحبزادے عزیزم حافظ انوار خلیل سلمہٗ کا ـــــ جو دینی نسبت سے مخدومی الاستاذ قاری امیر حسنؒ کے بعد مجھ ہی سے وابستہ ہیں اور بڑی محبت وعقیدت رکھتے ہیں ـــــ فون آیا تو میں حسبِ معمول کوئی تفریحی جملہ بولنے ہی والا تھا کہ انہوں گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا ''حضرت! آپ کو کچھ پتہ چلا؟''میں نے کہا: کاہے کا؟ تو بتلایا کہ ابّا کا انتقال ہوگیا ہے، میں اس اچانک خبر سے حیران ہوکر سوائے انا للہ کے اور کچھ کہہ نہ سکا، فون بند کردیا، بعد میں

دوبارہ فون کر کے تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ یوں تو ضعف واضمحلال اور علالت کا سلسلہ کافی دنوں سے چل رہا تھا مگر معمولات ومشاغل برابر جاری تھے، اس دن بھی حسبِ معمول دفتر گئے اور اپنے کام سرانجام دیئے، البتہ دوائیں پنپ نہیں رہی تھیں، جو کھاتے وہ واپس ہو جاتا، اسی حال میں گھر تشریف لے گئے، اہلیہ محترمہ نے کھانے کا پیش کش کیا مگر وہ موجودہ ناظمِ اعلیٰ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ سے ربط کرنے کے لئے بے چین تھے، اُن سے تو رابطہ نہ ہو سکا اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، یہ کوئی ۲ ربجے کا وقت ہوگا، نماز جنازہ اسی روز رات میں کوئی ۹ بجے عزیز محترم ومکرم مولانا سلیم الحق انس صاحب زید رشدہٗ وفضلہ کی امامت میں ادا کی گئی، وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۸ برس تھی، غفر اللہ لہ ورحمہ ۔ پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ پانچ بیٹے، چھ بیٹیاں اوران کی اولاد شامل ہیں، حق تعالیٰ حضرت الاستاذ کی مغفرت فرمائے سیئات کو حسنات سے مبدّل فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل، اجر جزیل عطا فرمائے، آمین بجاھہ الکریم

حضرت مولانا خواجہ شریف صاحب رحمہ اللہ، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد

حیدرآباد دکن کی سرزمین ہر زمانے میں علم وادب کی سرزمین رہی ہے، صدیوں سے یہاں عصری وشرعی علوم کی سرگرمیاں چل رہی ہیں، ایک طرف جامعہ عثمانیہ اور جامعہ نظامیہ جیسی قدیم درسگاہیں علم وتحقیق کے دریا بہاتے چلی آرہے ہیں، ماضی قریب تک دائرۃ المعارف العثمانیہ اپنی گراں قدر علمی وتحقیقی کارناموں کے احسان سے پورے عالمِ اسلام کو مرہون شِ منت بنا تارہا، دائرۃ المعارف النُعمانیہ کے ذریعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کا سرمایۂ علم دنیا کے کونے کونے سے جمع کیا جاتا رہا، تو دوسری جانب سلاسلِ اربعہ روحانیہ کے مشائخ اطراف واکناف سے یہاں آکر اکھٹا ہوتے رہے، بالخصوص قادریت ونقش بندیت دکن کے چپے چپے پر اپنا قبضہ جما کر بادۂ معرفت واحسان کے دریا بہاتی رہی، یہ اور بات ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ دین کی اصلیت رسمیت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، پھر سقوطِ حیدرآباد کا سانحہ پیش آیا تو اگرچہ مسلمان شاہی سرپرستی اور اعزازِ حکم رانی سے محروم ہو گئے مگر عصری ومذہبی دونوں علوم کے چشمے ہر چہار جانب پھوٹ پڑے اور اب اللہ کے کرم سے پورے علاقۂ دکن کے طول وعرض میں کتاب وسنت کی تعلیم وتحفظ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے مراکز کا جال بچھ گیا ہے۔ فللہ الحمد اولا وآخرا

حیدرآباد کے مشائخ کبار اور علماء عظام میں سے ایک حضرت خواجہ شریف صاحب نظامی رحمہ اللہ بھی ہیں ضلع محبوب نگر کے ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھنے والی اس عظیم شخصیت نے دکن کی مایۂ ناز اور تاریخی درس گاہ جامعہ نظامیہ میں وقت کے اکابر علم اور اساطین فن سے علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی تھی، قدرت کے فیاض ہاتھوں

نے ان کے نحیف وضعیف جُثّے میں بلا کی ذہانت اور استعداد وصلاحیت ودیعت کی تھی جس کی برکت سے وہ علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں نہایت اعلیٰ مقام پر پہونچے؛ فراغت کے بعد انہوں نے اپنی صلاحیتوں اور کمالات کے اظہار واستعمال کے لئے اپنی مادر علمی جامعہ نظامیہ ہی کا انتخاب کیا اور تقریباً نصف صدی تک طالبانِ علم وحکمت کی تشنگی بجھاتے رہے، جامعہ کے ذمہ داروں نے اُن کی علمی وعملی اور عرفانی شخصیت کا بجا طور پر مسندِ حدیث کے لئے انتخاب کیا، چناں چہ تقریباً تیس برس تک مسلسل بخاری شریف کی تدریس کا شرف انہیں حاصل رہا۔

نہایت سادہ مزاج، تکلفات سے عاری، شہرت ونا موری سے نفور اور فتنہ وانتشار سے بہت دور تھے، ایک بڑی علمی شخصیت اور بلند پایہ وذی مرتبہ ہستی، ہزاروں تلامذہ کے استاذ، سینکڑوں مریدین کے شیخ اور بے حساب عقیدتمندوں کے مرکز ومحبوب ہونے کے باوجود ایک عرصے تک سائیکل پر آمد ورفت کیا کرتے تھے، بلند قامت نحیف جسامت، کھڑا چہرہ، مسنون پگڑی، لمبی داڑھی کے ساتھ وہ محافل ومجالس کی زینت ہوا کرتے تھے، وعظ ونصیحت میں اعتدال اور کام کی بات پر اکتفا فرماتے تھے، اپنی زندگی کو خدمتِ دین وعلمِ دین سے عبارت بنالیا تھا، اسی کے ساتھ معمولاتِ سلوک اور ذکر وشغل سے بھی کبھی غفلت نہ ہوتی تھی۔

راقم سطور کی بعض دینی جلسوں میں اُن سے ملاقات رہی، زیادہ ربط وتعلق اپنی مصروفیات کی وجہ سے کسی سے بھی نہیں ہے، تاہم اُن کی صحت زیادہ ناساز گار رہونے کی اطلاع ملی تو ایک عالمِ دین کا حق سمجھتے ہوئے سعادتِ عیادت حاصل کرنے کے لئے ان کا مکان تلاش کر کے پہونچا، ان کی قیام گاہ کو بھی انہیں کی طرح بے تکلف وسادہ پایا، اپنے مدرسے کے کسی ذمہ دار سے انتظامی گفتگو فرمارہے تھے، نظر پڑی تو انہیں ہٹا کر قریب بُلایا اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمایا، راقم نے مسنون دعائے عیادت سات مرتبہ پڑھی، صحت پوچھی تو اس کے جواب میں الحمدللہ فرمایا اور کہنے لگے، آپ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر یہاں تک آنے کی زحمت کئے ہیں، اللہ پاک جزائے خیر دے۔ متعلقین سے معلوم ہوا کہ اس نازک حالت میں بھی وہ خانۂ خدا اور دیارِ حبیب ــــ علی صاحبہا افضل الصلوٰت وازکی التحیات ــــ میں حاضری کے لئے بے قرار اور کل صبح سفرِ عمرہ کے لئے روانہ ہونے والے ہیں، ماشاء اللہ اسی حالت میں سفر کیا، عمرہ ادا کیا، زیارتِ نبی سے مشرف ہو کر وطن واپس آئے، یہاں آنے کے بعد حالت نازک سے نازک تر ہوتی چلی گئی، دواخانے میں شریک کرادیئے گئے، یہ عاجز مکہ مکرمہ میں تھا وہیں اُن کے وصال کی اطلاع بھی آگئی اِنَّ للہ ما أخذ ولہ ما اعطیٰ

آپ نے ہزاروں تلامذہ کے علاوہ بلند پایہ علمی ورثہ اُمت کے لئے چھوڑا، متعدد گراں قدر کتابوں کے مصنف ومترجم تھے، قادر الکلام شاعر تھے، عربی فارسی اور اردو کے بہترین ادیب تھے، معلوم ہوا کہ اُن کی اہلیہ، بیٹا، سات بیٹیاں اور اُن کے ساتوں شوہر ماشاء اللہ سب علماء وفضلاء اور دین کی خدمت میں مشغول ہیں، یہی

نہیں بلکہ اولاد کی اولاد بھی قرآن کریم کے حفظ اور دین کے حصول میں مشغول ہے، انشاء اللہ یہ سارا خاندان اور ان کے تلامذہ وتصنیفات اُن کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی، اُن کی وفات یقیناً دنیائے علم ومعرفت کا ایک عظیم خسارہ ہے، حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اُمت کے اس نقصان کی تلافی فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاھک الکریم

(چند اَور بزرگوں کے نام سامنے ہیں، لیکن تقدیرِ الٰہی سے بخار وغیرہ کا سلسلہ ہو گیا ہے، اس لئے باقی بزرگوں کا تذکرہ اگلے شمارہ تک مؤخر کر دیا ہوں)

ماہنامہ ''اشرف الجرائد'' کے ممبران کی خدمت میں!

بحمد للہ ماہنامہ بہ پابندیٔ وقت آپ کے نام ارسال کیا جارہا ہے، ہر شمسی ماہ کی ۵/ تاریخ کو محکمۂ ڈاک کے حوالے کر دیا جاتا ہے، امید ہے کہ وہ آپ کے گھر پہونچ رہا ہوگا اور آپ اس سے مستفید بھی ہو رہے ہوں گے، جن ممبران کی مدتِ خریدی ختم ہو چکی ہے، وہ سالانہ زرِتعاون دفتر کے پتے پر بذریعہ منی آڈر یا بذریعہ اکاؤنٹ ارسال فرمائیں اور دفتر کو بھی ضرور اطلاع دیں، تاکہ آپ کے ماہنامے کی تجدید ہو جائے۔ جن ممبران کو ماہنامہ نہ ملنے کی شکایت ہے وہ اپنے مقامی پوسٹ آفس سے ربط کریں۔ یا دفتر اشرف الجرائد سے ربط کر کے اپنے دیئے گئے پتے کی تحقیق فرمالیں۔

پتہ

Office: Ashraful jaraid(Monthly Magazine)
C/o Idara Ashraful uloom Hyderabad
17-1-391/2, Khaja bagh sayeedabad Colony
Hyderabad-59 T.S.

A/c **035210011034204,** IFSC CODE:**ANDB0000352**
ANDHRA BANK, MALAKPET BRANCH

Email: Ashrafuljaraid2007@gmail.com, Cell: 9866619359

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب: آپ کا نام فاطمہ ہے، سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے، فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب خالد اکبر بن وہب ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر، والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔ ان کا نکاح ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ سے ہوا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں، اور ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔

عام حالات:

۱۰ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے، ابوعمرو بھی ان کے ساتھ تھے، چلتے وقت انہوں نے عیاش بن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی (فاطمہؓ) کو آخری طلاق دی (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵، ۵، صاع جو اور خرمے بھیجے۔ جب عدت کا زمانہ گذر چکا تو ہر طرف سے پیامات آنے شروع ہوئے ،امیر معاویہ، ابوجہم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے بھی پیغام دیا؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لئے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے ترش مزاج تھے، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اسامہ (رضی اللہ عنہ) سے نکاح کرلو چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اپنی زوجیت کا شرف عطا کریں گے، اس لئے انکار کیا، ارشاد ہوا ''خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے'' یہ سن کر فاطمہ مجبور ہوئیں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا، کہتی ہیں کہ پھر میری زندگی قابل رشک بن گئی'' (مسلم)۔

۲۳ سن ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو مجلس شوری کا اجلاس فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے مکان پر ہی ہوا تھا۔ (اسد الغابۃ: ۸/۸۲۶)

۵۴ ہجری میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا اور

*رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدر آباد

دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں، یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت پذیر رہیں۔

وفات:

وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک بقیدِ حیات تھیں۔ (مسلم)

فضائل وکمالات:

اسد الغابۃ میں ہے "لھا عقل و کمال" (اسد الغابۃ: ۵/۵۲۶) "یعنی وہ نہایت عقل مند اور صاحب کمال تھیں"۔

حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدد اشخاص سے مروی ہیں ان میں چند نام یہ ہیں: قاسم بن محمد، ابوبکر بن ابوالجہم، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبداللہ بن عبداللہ، اسود، سلیمان بن یسار، عبداللہ البہی، محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، شعبی، عبدالرحمن ابن عاصم، تمیم۔ رحمہم اللہ

اخلاق:

عادات واخلاق نہایت شریفانہ تھے امام شعبیؒ جو ان کے شاگرد تھے، ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا۔ (اصابہ: ۸/۲۰)

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: آپ کا نام شفاء، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے تعلق رکھتی ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: شفاء بنت عبداللہ بن عبدشمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط زراح بن عدی بن کعب بن لوئی، والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔ ابوحشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا، ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ (اصابہ: ۸/۲۰)

عام حالات:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو بہت محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ان کے گھر میں تشریف لے جاتے تھے، انہوں نے آپ کے لئے علاحدہ بچھونا اور ایک تہبند چھوڑی تھی، چونکہ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ جذب ہوتا تھا؛ اس لئے یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں، حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا؛ لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔ (اسد الغابۃ: ۵/۴۸۶)

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کوایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں (الاصابہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں، چنانچہ ابن سعد میں ہے:

’’کان عمر یقدمها فی الرای ویرعاها یفضلها وربما ولّاها من أمر السوق‘‘ (اصابہ)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کورائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اوران کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے‘‘۔

وفات: وفات کا سن معلوم نہیں۔

اولاد: اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اورایک لڑکی جو شرحبیل بن حسنہ سے منسوب تھی۔

فضل وکمال: جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اورلکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے استفسار کیا تھا، حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی تھی اورفرمایا تھا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھادو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا (مسند احمد) چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں ’’بسم اللہ صلو صلب جبر تعوذأمن أقواهها فلا نضر أحدا اللهم اکشف البأس رب الناس‘‘

(اسدالغابۃ:۵/۴۸۷)

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک بارہ ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اوردو پوتے ابوبکر وعثمان اور ابوسلمہ، حضرت حفص رضی اللہ عنہم اوراسحاق رحمہ اللہ شامل ہیں۔

اسدالغابۃ میں ہے: ’’کانت من عقلاء النساء وفضلاتهن‘‘ (اسدالغابۃ:۵/۴۸۶) ’’یعنی وہ بڑی عاقلہ اورفاضلہ تھیں‘‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کرایک چادرعنایت کی اورعاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی؛ حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی تمہاری بنت عم بھی ہوں اس کے علاوہ تم نے مجھے کوطلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا؛ لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی؛ کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبا قریب تر ہیں۔ (اسدالغابۃ:۵/۴۸۶)۔

گوشۂ سیرت

بچوں کی تربیت سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں

از: مولانا مفتی عبدالعزیز لجی قاسمی*

اولاد اللہ کی عظیم نعمت اور خصوصی عطیہ ہے انسانی معاشرے میں ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کا مقام پھولوں اور کلیوں کے مانند ہیں، وہ ماں باپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک اور راحت کا ذریعہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت میں صاحبِ اولاد ہونے کا ایک زبردست داعیہ رکھا گیا ہے، چاہے وہ ذی حیثیت اور ذی مرتبہ ہو یا کم حیثیت اور معمولی درجہ کا آدمی ہو، چنانچہ قرآن مجید میں دو اولوالعزم پیغمبروں حضرت ابراہیم وحضرت زکریا علیہما السلام کے بارے میں اولاد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔ (الصافات:۱۰۰، مریم:۵) اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول بھی فرمائی اور اولاد جیسی عظیم نعمت عنایت فرمائی۔

پھر قدرت کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ انسان جو زمین میں خدا کے خلیفہ کے طور پر منتخب ہوا (البقرہ:۳۰) اور جس کے لئے پوری کائنات کو مسخر کیا گیا۔ (الجاثیہ:۱۳) وہ اپنے بچپن میں سب سے محتاج، کمزور، ناتواں اور قدم قدم پر ایک طویل مدت کے لئے بے شمار سہاروں اور مددگاروں کا ضرورت مند ہوتا ہے، اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے خدا نے انسانوں کی فطرت میں اپنی اولاد سے محبت اور تعلق کا ایسا والہانہ جذبہ رکھا ہے کہ اس کا اظہار الفاظ میں کرنا ایسا ہی ہے جیسا سورج کو چراغ دکھانا، اور یہ بات بھی اہم ہے کہ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات میں ایک عنصر غالب ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی خود مکتفی ہو جاتے ہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان میں اولاد کے متعلق محبت اور بے پناہ چاہت کے وہ جذبات نہیں ہوتے جو انسان میں ہوتے ہیں بلکہ بعض مخلوقات تو ایسی ہیں کہ وہ خود اپنی اولاد کو غذا بنا لیتی ہیں، یہ دراصل قدرت الٰہی کا ایک لطیف اشارہ ہے جس سے نسلِ انسانی کی تربیت و نشوونما اور سماج کی ان کی طرف توجہ کی اہمیت وضرورت واضح ہوتی ہے، خود شریعت نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ مرکوز رکھنے کی ہدایت دی ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: قُوٓا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِيۡکُمۡ نَارًا (التحریم:۶) کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نے ارشاد فرمایا: الرجل راع فی اهله ومسؤول عن رعیته والمرأة راعیة فی بیت زوجها ومسؤولة عن رعیتها (بخاری باب العبد راع فی مال سیده) نیز آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ آدمی کا اپنے بچے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔(ترمذی باب ماجاء فی ادب الولد)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بچوں کی حیثیت ایک نرم اور نوخیز پودے کی طرح ہے کہ اسے جدھر چاہے موڑا جاسکتا ہے کیوں کہ جب یہ پودے اپنی پختگی کو پہنچ جائیں گے تو ان کو موڑ ناممکن نہ ہوگا۔

اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ تربیت دینے کا طریقہ کیا ہے اور اس کے لیے کیا کیا ذرائع استعمال کئے جانے چاہئے، اصولی طور پر یہ بات تو مسلم ہے کہ ہر طرح کی ــــ چاہے اخلاقی ہو یا جسمانی، دینی ہو یا معاشرتی ــــ تربیت میں نرم رویہ اختیار کرنے کو اسلام نے پسند کیا ہے اور بلا وجہ تشدد اور سختی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے چنانچہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنھما کو یمن کی طرف لوگوں کی دینی تربیت کے لئے روانہ فرمایا تو جو نصیحت فرمائی تھی، تھی تو مختصر؛ لیکن تربیت کے اصول وقواعد کے لیے ایک زریں اصول اور قیمتی نصیحت کا درجہ رکھتی ہے، فرمایا ”یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا“ (بخاری مسلم) نرمی کرو سختی نہ کرو خوشخبری دو اور متنفر نہ کرو۔

مربی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حالات اور وقت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی تربیت میں تبدیلی اور ترمیم کرتا رہے اس سلسلے میں جب ہم حضوا کرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حالات اور مخاطب کے لحاظ سے مختلف مواقع پر جداگانہ اور الگ طرز عمل اختیار کیا ہے، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں آپ ﷺ کی تربیت کے حالات اور واقعات میں سے کچھ حصہ پیش ہے۔

حضرت عمرو بن سلمہؓ آپ ﷺ کی زیر پرورش تھے اور کم عمر تھے ایک مرتبہ کھانے کے دوران دو مختلف جگہوں سے کھا رہے تھے آپ ﷺ نے توجہ دلائی اور یوں ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ کہو! داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصہ سے کھاؤ جو تم سے قریب ہو (بخاری باب الاکل مما یلیه) گویا آپ ﷺ نے صرف مؤثر انداز میں توجہ دلائی جس سے ان کی تربیت ہوگئی۔

کبھی آپ ﷺ نے شفقت ونرمی اور دل جوئی کا لب ولہجہ اختیار فرمایا جس میں آپ ﷺ نے باتوں باتوں میں بڑوں کا ادب اور ان کے ساتھ رعایت کی تعلیم بھی دی، روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں کوئی پینے کی چیز پیش کی گئی آپ ﷺ نے نوش فرمایا آپ ﷺ کی داہنی جانب حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف فرما تھے جو اس وقت بہت ہی کم عمر لڑکے تھے اور بائیں طرف بڑے بڑے اجلۂ صحابہ موجود

تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دو گے کہ یہ بچا ہوا میں ان بڑوں کو دیدوں، انہوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو ملنے والا ہے خدا قسم اس میں میں ایثار نہیں کرسکتا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیا ہوا متبرک پانی پینے کا شرف میں خود حاصل کروں گا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مشروب ان کے ہاتھ میں رکھ دیا (بخاری)

مربی اور معلم کبھی یہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اشارہ اور عمل کے ذریعہ کسی بات پر متنبہ کردے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج کے بارے میں کچھ پوچھنے آئی حضرت فضل بن عباسؓ آپ کے ساتھ تھے اور اس وقت کم عمر ہی تھے وہ ان خاتون کی طرف دیکھنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کا چہرا دوسری سمت موڑ دیا (بخاری) گویا یہ عملی طور اس بات کی تعلیم تھی کہ غیر محرم عورتوں سے اپنی نگاہ محفوظ کرنا چاہئے۔

موقع و محل کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی از راہ تربیت خفگی اور ناراضگی کا اثر بھی ظاہر کیا ہے اور ڈانٹا اور ڈپٹا ہے، حضرت ابو ذرؓ نے ایک بار اپنے غلام کو ڈانٹتے ہوئے ماں کا طعنہ دیا اور فرمایا کہ (یا ابن الاسود) اے کالی کلوٹی عورت کے بیٹے!، یہ جملہ از راہ بشریت غصہ میں ان کی زبان سے نکل گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ انک امرأ فیک جاھلیة (بخاری باب المعاصی من امر الجاھلیة) کہ ابو ذرؓ تمہارے اندر جاہلیت کے اثرات باقی ہیں۔

تربیت کے اصولوں میں یہ بھی ہے کہ کبھی وقتی طور پر بے رخی اور ترک تعلق کا اظہار بھی مؤثر ہوا کرتا ہے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود اس طرح کا ثبوت ہے، ایک دفعہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت فاطمہؓ جو آپ کی لاڈلی اور چہیتی صاحب زادی تھیں حضرات حسنینؓ (حسن و حسین) کے لئے چاندی کے کنگن بنوائے اور اپنے گھر کے دروازے پر پردے لٹکائے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ معمول یہ تھا کہ جب آپ سفر پر تشریف لے جاتے سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کرتے چنانچہ اس غزوہ سے واپسی پر خلاف معمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف نہیں لے گئے وہ سمجھ گئیں فوراً پردوں کو چاک کردیا صاحب زادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار دیا۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کنگن بازار بھیج دیئے اور اس کے بدلے میں ہاتھی دانت کے کنگن منگوائے اور پھر اپنی بیٹی کے پاس تشریف لے گئے۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر بعض

مخلص صحابہؓ مکمل عزم و ارادہ کے باوجود حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوسکے، یہاں تک کہ آں حضور ﷺ کے پاس آکر ان حضرات نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلیا اس موقع پر جب تک اللہ کی جانب سے ان کی توبہ کی قبولیت کا حکم نازل نہ ہوا آپ ﷺ نے اور دوسرے مسلمانوں نے ان سے گفتگو تک بند کردی اور تعلقات تک منقطع کرلیے ۔(بخاری و مسلم) مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ اصلاح و تربیت کا انداز صرف ان بچوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جن کا شعور بالغ ہوچکا ہو کمسن بچوں کے ساتھ تو یہ انداز بجائے فائدہ کے مضر اور نقصان دہ ثابت ہوگا۔

تربیت کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ نے ایک آخری طریقہ مارنے اور جسمانی سرزنش کرنے کا بھی بتلایا ہے، بلکہ حضور اکرم ﷺ نے خود دس سال کی عمر میں بچوں کو مارنے کی اجازت دی ہے حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہوجائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو، اور ان کے بستر بھی الگ کردو۔(ابو داؤد باب التی تومر الغلام بالصلوٰۃ)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب معارف الحدیث میں یوں لکھتے ہیں، عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار اور باشعور ہوجاتے ہیں اسی وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے اور اس کے لئے ان سے نماز کی پابندی کرانی چاہیے، دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کرجاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آجاتا ہے اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنا چاہیے، اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کی سرزنش بھی کرنا چاہیے۔

مضمون کی مناسبت سے علامہ سید سلمان ندوی کی مشہور کتاب ’’سیرت النبی ﷺ‘‘ کا وہ اقتباس پیش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ایک طرف تو تعلیم و تربیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف تعلیم و تربیت کے رہنما اصول بھی ملتے ہیں، سید صاحب لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کی بعثت تعلیم اور تزکیہ کے لئے ہوئی تھی یعنی لوگوں کو سکھانا اور بتانا اور نہ صرف سکھانا اور بتانا بلکہ عملاً بھی ان کو اچھی باتوں کا پابند اور بری باتوں سے روک کر آراستہ و پیراستہ بنانا۔ اور اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ انما بعثت معلما (ابن ماجہ باب فضل العلماء) اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک کامیاب معلم کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں اپنے اپنے موقع پر سختی اور نرمی دونوں ہوں وہ ایک جراح ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر ہو جس سے زخم کو چیر کر فاسد مواد کو باہر نکال دے اور دوسرے ہاتھ میں

مرہم ہو جس سے زخم میں ٹھنڈک پڑ جائے اور تندرست گوشت اور چمڑے کی پرورش ہو، اگر کسی جراح کے پاس ان دو میں سے صرف ایک ہی چیز ہو تو زخم کو نہ پاک کرسکتا ہے اور نہ فاسد گوشت و پوست کی جگہ تندرست گوشت و پوست کرسکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمِ اخلاق کے طریقوں پر غور و فکر کی ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تعلیم میں سختی اور نرمی کے موقع و محل کو خوب پہچانتے تھے اور اسی پر عمل فرماتے تھے۔

یہ بات یقینی ہے کہ اگر ہماری اولاد کی تربیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کے اصول وقواعد پر ہو تو کوئی بعید نہیں کہ ہماری اولاد زندگی کے ہر موڑ پر ایسی شمع راہ بن جائے کہ جسے نہ زمانہ کے حالات گل کرسکتے ہیں اور نہ ہوائے زمانہ بجھا سکتی ہے۔ جگر مرادابادی کا یہ شعر کس قدر حقیقت اور حکمت سے لبریز ہے۔

جسے ہوائے زمانہ کبھی بجھا نہ سکے
قدم قدم پہ وہ اک شمع راہ پیدا کر

دوامِ ذکر کی دولت

تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مشغول رکھنا چاہیئے، جو عمل بھی شریعتِ غرّا کے موافق ہوگا وہ داخلِ ذکر ہے، اگرچہ بیع وشراء ہو، پس تمام حرکات وسکنات میں احکامِ شرعیہ کی مراعات ہونی چاہیئے تاکہ وہ سب ذکر ہوجائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا اور جب تمام افعال میں اوامر ونواہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی آمر وناہی ہے، غفلت سے نجات حاصل ہوجائے گی اور اس کو دوامِ ذکر کی دولت میسر آئے گی۔

(مجدد الف ثانی حضرت مولانا شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ)

اصلاحی مضامین

بچوں پر کارٹون کے منفی اثرات

از: مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

بلاشبہ اولاد والدین کے پاس عظیم نعمت، قیمتی سرمایہ اور اہم ترین امانت ہے، اگر اس کی حفاظت کی جائے، خیر و بھلائی اور اخلاق حسنہ کا عادی بنایا جائے، اچھی تعلیم و تربیت سے ہمکنار کیا جائے تو وہ فرشتہ صفت انسان، ولیٔ کامل اور وقت کے قطب بن سکتے ہیں، لیکن اگر اُنہیں نظر انداز کیا جائے اور جانوروں کی طرح صرف ان کی جسمانی ساخت کی فکر کی جائے تو وہ بہیمانہ صفات کے حامل، سماج کے لئے ناسور، والدین کے لئے دردسر اور ملت اسلامیہ کے لئے عظیم خسارہ بن سکتے ہیں اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ما نحل و الدٌ ولده من نحل افضلَ من ادب حسنٍ (کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا) یہی وجہ ہے کہ ان دشمنان اسلام نے اسلام کو مٹانے کے لئے نسل نو کو ہی نشانہ بنایا جس کے لئے انہوں نے میڈیا کا سہارا لیا، اس میڈیا نے نسل نو کے جذبات کو غلط رخ دینے کے لئے طرح طرح کے حربے اپنائے اور فحاشی و عریانیت کا وہ طوفان برپا کیا کہ الامان الحفیظ! اور سیٹلائٹ چینلز کی شکل میں ایسا جال بچھایا گیا جس نے بے حیائی اور بے شرمی کے تمام دروازے کھول دیے، بدکرداری، فحاشی و عریانیت کو دلچسپ شکل میں پیش کیا گیا اور مستزاد یہ کہ نسل نو کی عقلوں کو بگاڑنے، دلوں میں فساد پیدا کرنے، آنکھوں سے حیا کا پردہ ہٹانے اور دینی اقدار کو ختم کرنے کے لئے کارٹون چینلز ایجاد کئے گئے، جس میں بظاہر بچوں کے لئے تفریح طبع کا سامان ہے لیکن وہ پس پردہ اپنے اندر فساد عظیم لئے ہوئے ہیں اور والدین نے بھی اسے بچوں کے لئے بے ضرر اور بچپن کی ضرورت سمجھ لیا، یہ سوچ کر کہ بچے کے گلی میں کھیلنے سے بہتر ہے کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے رہ کر گھر میں کارٹون دیکھے، جب کہ اس سے بچے کے ذہن و جسم اور اخلاق و کردار پر کافی منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

۱۔ کارٹونس کے ذریعہ بچوں کے عقائد پر حملے ہورہے ہیں کیوں کہ اکثر کارٹونس میں باطل مذہب کی ترجمانی ہوتی ہے مثلاً کسی میں جادوگروں کی جادوگری اور اس کی اثر انگیزی کو دکھلایا جاتا ہے، کسی میں یہ دکھلایا جاتا ہے کہ کسی بت کی پوجا کرنے سے وہ مشکل دور ہوگئی کسی کارٹون میں درخت وغیرہ کو آفات و حوادث سے حفاظت

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کرنے والے کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے کسی میں صلیب اور بت وغیرہ کے ذریعہ قلبی طمانینت اورراحت حاصل ہوتے ہوئے دکھلایا جاتا ہے، کسی میں گرجا گھروں اور بت کدوں میں کئے جانے والے شرکیہ اعمال اور پس پردہ ان کے فوائد بھی دکھلائے جاتے ہیں، بچوں میں چونکہ صفت انفعالیت غالب ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد اس سے اثر قبول کر لیتے ہیں، اور تبھی اسلامی تعلیمات کے متعلق منفی رجحانات پیدا ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔

۲۔ بہت سے کارٹونس میں لڑتے جھگڑتے، مار پیٹ کرتے دکھایا جاتا ہے جس سے ایک طرف بچوں میں سختی، تندخوئی پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف ہمدردی اور خدمت خلق کا مادہ، دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر مدد کرنے کا مزاج ختم ہوجاتا ہے۔

۳۔ کارٹونس کو ایسے لباس میں پیش کیا جاتا ہے جو بالکل غیر اسلامی اور شرم وحیاء سے عاری ہوتے ہیں اور ایسے نازیبا حرکات کو دکھایا جاتا ہے جو حیا سے فروتر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر بچہ بھی ان کی نقالی کرنے لگتا ہے۔

۴۔ بہت سے کارٹونس میں جرائم کرنے اور ان کے برے انجام سے بچنے، اسی طرح جھوٹ بول کر بچنے کے مناظر دکھلائے جاتے ہیں جن سے بچے میں جرم کرنے اور جھوٹ بولنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ وقت کا ضیاع ؛ بچوں کا جو وقت زبانی، تخلیقی، فنی، اور سماجی صلاحیتوں کے پروان چڑھنے کا تھا، اب اس کا یہ وقت بے کار کارٹونوں کی نذر ہوجاتا ہے۔

۶۔American acadmy of child نے اپنی ایک تحقیقی رپورٹ میں یہ پیش کیا کہ ایسے بچے جو کارٹون دیکھتے ہیں وہ بے حس ہوجاتے ہیں، دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر انہیں کوئی احساس تک نہیں ہوتا، نیز ایسے بچے جو مسلسل تشدد کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کا رویہ انتہائی تشدد آمیز ہوتا ہے اور وہ ضدی ہوجاتے ہیں پھر اپنے مسائل کا حل تشدد کی راہ ہی میں مضمر سمجھنے لگتے ہیں۔

۷۔ ایسے بچے جسمانی، ذہنی، اور تعلیمی نشوونما میں پیچھے رہتے ہیں۔

۸۔ بعض کارٹونس ایسے ہوتے جن میں بڑوں کی اور والدین کی توہین اور ان کے ساتھ بیہودہ مزاق و بدتمیزی کرتے دکھایا جاتا ہے جس سے بچوں میں اکرام مسلم اور عظمت والدین کے بجائے نافرمانی اور ہٹ دھرمی پیدا ہوجاتی ہے۔

اس لئے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے فرمان يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا کو مدنظر رکھ کر اپنے بچوں کی تربیت اور ان کی شخصیت سازی کی فکر کریں، انہیں احکام الٰہی، سنتِ نبوی اور صحابہؓ کے قصے سنائیں۔

● والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کے ساتھ مناسب وقت گزاریں، ٹی وی کے سپرد کر کے خود کو بری الذمہ نہ سمجھیں، اوران پر کڑی نظر رکھیں۔

● حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حیا سوز اور مخرب اخلاق چینلز پر سرکاری طور پر پابندی عائد کرے۔

● خطباء اپنے خطبوں میں، علماء اپنے علمی مواعظ میں اور مضمون نگار اپنے اپنے مضامین میں اس کے نقصانات کو امت کے سامنے پیش کریں۔

اس لئے کہ جس قوم کی نسل نو تباہ ہو جائے، اور ان سے روح ایمانی ختم ہو جائے تو وہ قوم اپنی ظاہری ترقی کے باوجود مردہ ہو جاتی ہے، اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

محبت سے خالی

محبت سے خالی بشر دیکھ لیجئے
زمانہ سراپا ہے شر دیکھ لیجئے
نہ دوزخ سے خائف نہ جنت کا شائق
عیاں ہے ضرر ہی ضرر دیکھ لیجئے
محبت سے خالی اطاعت سے عاری
یہ ہے حال! المختصر دیکھ لیجئے

حضرت مولانا شاہ محمد احمد برتاب گڈھی رحمہ اللہ

فکر ونظر

آزادیٔ مذہب اور آئین ہند

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی*

دین ومذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ایک ہے جنھیں انسانیت کا فطری خاصہ مانا جاتا ہے، اور ہر مہذب حکومت نے انسان کے اس فطری حق کا پاس ولحاظ رکھا ہے، خود ہمارے ملک میں جومختلف افکار ومذاہب اور تہذیب وثقافت کا گہوارہ ہے شخصی عہد سلطنت میں مذہبی آزادی کی کس قدر پاسداری کی جاتی تھی اس کا اندازہ بھارت کے "انگریزی راج" کے مصنف پنڈت سندرلال الہ آبادی کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔

وہ عہد مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اوران کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے۔ دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، اور مذہب کیلئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی"۔ (روشن مستقبل، ص: ۲۴)

مذاہب عالم کی تاریخ اور واقعات ومشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ آزادیٔ مذہب کا مسئلہ اس درجہ نازک اور جذباتی ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی جانب سے اس پر قدغن لگانے کی غیر شریفانہ کوشش کی گئی ہے تو عوام نے اسے برداشت نہیں کیا ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں حکومت کا یہی بیجا رویہ بغاوت اور انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ آزادیٔ ہند کی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی تاریخی جدوجہد کا اہم ترین محرک مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ اندیشہ تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ اندازی اور اسے خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جنگ آزادی کے نامور مجاہد اور عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر حکومت برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"اسلام کے احکام کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو وہ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب وروز اس کا درس دیتے ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ صرف

* استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا نہیں! اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کردے کہ حکومت کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ "ان کے مذہب میں مداخلت نہیں ہوگی" اس کے بعد مسلمانوں کے لئے نہایت آسانی ہوجائے گی کہ وہ اپنا وقت بے سود شور وفغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں"۔ (مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب، ص: ۲۰۴)

جہادِ حریت کے ہراول حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آج سے تقریبا پچاسی سال پہلے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے مذہبی آزادی کے مسئلہ کی نزاکت کو دوٹوک لفظوں میں واضح فرمادیا تھا، ملاحظہ کیجئے حضرت کی اختتامی تقریر کا اقتباس فرماتے ہیں:

"میں ان دونوں قوموں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور ضروری سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کیلئے فریقین کے عمائدنے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے برخلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ کیلئے ناممکن بنادے گی اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دے سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت وآشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشیں کرلیجئے۔ اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ صلح وآشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو"۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے، ص: ۲ ۱۳)

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مقام ومرتبہ اور ان کی ہمہ گیر مقبولیت سے باخبر اچھی طرح جانتے ہیں کہ

یہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اپنی تنہا آواز نہیں تھی بلکہ یہ پورے ملت اسلامیہ ہند کی ترجمانی تھی۔ حضرت شیخ الہند۔رحمہ اللہ۔کی اسی رائے کو جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے لاہور کے عام اجلاس میں بشکل تجویز ان الفاظ میں پیش کیا:

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ان کا مذہب آزاد ہوگا۔مسلم کلچر اور تہذیب آزادی ہوگی۔وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج)...جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی،سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

(جمعیۃ علماء کیا ہے،ص:۳۳۳)

پھر اپنی مجلس عاملہ منعقدہ ۱۷،۱۸/ اگست ۱۹۴۲ء کے اجلاس میں دین و مذہب کے متعلق مسلمانوں کے اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح الفاظ میں یہ تجویز منظور کی۔

”اس موقعہ پر ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ علماء کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا ہے کہ جدوجہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندو راج قائم ہو جاتا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر اس کی شدید مخالفت کرتی۔“

”ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب،ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں...مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بیش بہا اور شاندار قربانیاں پیش کریں گے ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت توہین ہے۔“ (جمعیۃ علماء کیا ہے،ص:۳۴۳۔۳۴۴)

ان تفصیلات سے سمجھا جا سکتا ہے،کہ دین و مذہب کا مسئلہ کس قدر نازک اور جذباتی ہے بالخصوص مسلمان اس بارے میں کس درجہ حساس ہیں مذہب کی اسی حیثیت و اہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جب آزاد ہندوستان کا دستور مرتب ہوا تو اس میں خصوصی طور پر مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور آزادی مذہب کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا اور اس کے تحت حسب ذیل دفعات رکھی گئیں:

دفعہ ۲۵: (۱) تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر، اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات متأثر نہ ہوں۔

دفعہ ۲۶: اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اور صحت عامہ متأثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔

(الف) مذہبی اور خیراتی اغراض سے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا

(ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا الخ

دفعہ ۲۷: کسی شخص کو ایسے ٹیکسوں کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا جن کی آمدنی کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقہ کی ترقی یا اس کو قائم رکھنے کے مصارف ادا کرنے کیلئے صراحتاً صرف کی جائے۔

دفعہ ۲۸: (۱) کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جو بالکلیہ مملکتی فنڈ سے چلایا جاتا ہو کوئی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

(۲) فقرہ (۱) کے کسی امر کا اطلاق ایسے تعلیمی ادارہ پر نہیں ہوگا جس کا انتظام مملکت کرتی ہو لیکن جو کسی ایسے وقف یا ٹرسٹ کے تحت قائم کیا گیا ہو جو ایسے ادارہ میں مذہبی تعلیم دینا لازم قرار دے۔

(۳) کسی ایسے شخص پر جو کسی ایسے تعلیمی ادارہ میں شریک ہو جو مملکت کا مسلمہ ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو لازم نہ ہوگا کہ کسی ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لے جو ایسے ادارے میں دی جائے یا ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہو جو ایسے ادارہ میں یا اس ملحقہ عمارت واراضی میں کی جائے بجز اس کے کہ ایسے شخص نے یا اگر وہ نابالغ ہو تو اس کے ولی نے اس کیلئے اپنی رضامندی دی ہو۔

ثقافتی اور تعلیمی حقوق سے متعلق دفعات

دفعہ ۲۹: (۱) بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط، یا ثقافت ہو اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔

(۲) کسی شہری کو ایسے تعلیمی ادارہ میں جس کو مملکت چلاتی ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو داخلہ دینے سے محض مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے کسی بنا پر انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۳۰: تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہوں یا زبان کی اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا۔ (بھارت کا آئین یکم جنوری ۱۹۸۵ / تک ترمیم شدہ شائع کردہ ترقی اردو بیورو وزارت تعلیم حصہ ۳ بنیادی حقوق، ص: ۴۶۔۴۷)

ان دستوری مستحکم ضمانتوں کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کے مفادات کا ان کے اطمینان کی حد تک خیال رکھا جائے گا اور اسے اسٹیٹ ایک مشن یعنی کاز کی حیثیت دے گا۔

مگر راج گدی پر بیٹھتے ہی یہ سارے عہد و پیمان اور قول وقرار جوش اقتدار کی نذر ہو گئے اور ایک خاموش تحریک شروع کر دی گئی کہ نصاب تعلیم اور سرکاری اسکولوں کے ماحول کے ذریعہ ہندو تہذیب بلکہ صحیح لفظوں میں برہمن ازم کو یہاں کے بچہ بچہ کے دل و دماغ میں اتار دیا جائے۔ اور اسی فکر و نظر کے تحت ایک طرف اسلامی اداروں کو دہشت گردی کا اڈا بتا کر انہیں قومی مجرموں کی صف میں کھڑا کرنے کی ناروا سعی کی جارہی ہے اور دوسرے طرف انہیں مدر بورڈ کے شکنجوں میں کس کر ان کے دینی و مذہبی کردار کو ختم کرنے کی اسکیمیں تیار کی جارہی ہیں۔ ہوشیار، ہوشیار، ہوشیار، اے ملت اسلامیہ ہوشیار!۔

اے فلاں! تم تو دنیا میں نیک تھے

آج رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ہیبت ناک منظر بیان فرمایا، ارشاد فرمایا: ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا، اس کی انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی اور وہ ان انتڑیوں کو لیے ہوئے چکّی کے گدھے کی طرح گھومتا رہے گا، تمام دوزخی اس کے پاس جمع ہوں گے اور اس سے پوچھیں گے:

اے فلاں! تمھارا یہ کیا حال ہے؟ تم تو دنیا میں نیک تھے اور ہم کو اچھی باتوں کا حکم دیتے تھے اور بُری باتوں سے روکتے تھے!

اس پر وہ کہے گا: میں تمھیں تو اچھی باتوں کی تلقین کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، تم کو بری باتوں سے روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔ (صحیح البخاری کتاب بدء الخلق: ۳۲۶۷)

(مجالس نبوی، ص: ۱۷۱، مرتب مولانا محمد الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی)

دعوت فکر و عمل

یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

مولانا مفتی محمد صادق حسین قاسمی*

کاغذ کی یہ مہک، یہ نشہ روٹھنے کو ہے
یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

سعود عثمانی شعر وادب کے حوالہ سے اس وقت ادبی دنیا کا ایک نہایت معتبر نام ہے، جن کو ستھری شاعری کا پاکیزہ ذوق وراثت میں ملا، جوزکی کیفی صاحب مرحوم کے فرزند اور عالم اسلام کے مایہ ناز عالم دین، عظیم فقیہ ومحدث، باکمال شاعر وادیب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے بھتیجے ہیں۔ سعود عثمانی جو حسنِ بیان، اظہارِ خیال میں جدت وندرت کا انوکھا اسلوب رکھتے ہیں، اور جن کی شاعری میں دلکشی، رعنائی، سچائی اور خوبصورتی کا سیلِ رواں ہوتا ہے، ان کا ہی کہا ہوا یہ بہت ہی خوبصورت شعر ہر سننے والے کو فوری طور پر اپنی طرف کھینچتا ہے، اور دل ودماغ کو بے خود کر جاتا ہے۔ کتاب سے عشق ومحبت اور مطالعہ سے شوق ولگاؤ رکھنے والے ہر انسان کو اس شعر میں غیر معمولی صداقت نظر آتی ہے اور آنے والے دور کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بعض شعر انسان کے ذہن ودل پر نقش کر جاتے ہیں اور انسان اس کے معانی میں ڈوب جاتا ہے، یہ شعر بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جس کے اندر ایک تلخ حقیقت کو بہت ہی دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

موجودہ دور سائنس وٹکنالوجی کی ترقی اور ایجادات واختراعات کا دور ہے اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کی حکمرانی کا دور ہے، اس دور نے انسان کو جہاں بہت ساری سہولتوں اور آسانیوں سے نوازا ہے وہیں بہت سی چیزوں کا حقیقی لطف ومزہ چھین بھی لیا ہے، مشین کے اس دور میں انسان بھی مشین ہی کی طرح کاموں کی انجام دہی میں لگا ہوا نظر آتا ہے، خوش طبعی، رنگارنگی اور دلچسپی کی جگہ اب مصنوعی اور ظاہری بے کیف زندگی نے لے لی ہے۔ چناں چہ مطالعہ اور کتب بینی کا جو ذوق ماضی میں تھا اب وہ رفتہ رفتہ ختم ہو رہا ہے بلکہ اس خوبصورت دنیا میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ پہلے لوگ جہاں کتابوں کے مطالعہ اور شعر وادب کے چسکے سے اپنے اوقات کو یادگار بناتے اور ایامِ فراغت کو قیمتی بنا کر گزارتے تھے اب اس کی جگہ انٹرنیٹ، موبائل کے کھیلوں اور لایعنی مشغلوں نے اپنا سکہ بٹھا دیا ہے، اور بچہ بچہ پڑھنے کے بجائے کھیلنے میں لگا ہوا ہے، اور نوجوان علم وتحقیق کے بجائے فضول چیزوں

* مدیر ماہنامہ الاصلاح کریم نگر

میں بہارِ عمر کو کھپا رہے ہیں۔ کسی دور میں کتابوں سے الماریوں کو سجائے رکھنا اور نئی نئی کتابوں سے اپنے ذوق کی تسکین کرنا باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا اب ایسے باذوق ڈھونڈنے سے بھی مشکل سے ملیں گے، کسی کا چشم کشا قول ہے کہ "جب کتابیں سڑک کے کنارے رکھ کر بکیں گی اور جوتے کانچ کے شوروم میں تو سمجھ لینا کہ لوگوں کو علم کی نہیں جوتوں کی ضرورت ہے۔"

ترقی کے اس دور میں ہر چیز کمپیوٹرائزڈ ہو چکی ہے، گھر بیٹھے دور دراز کی چیزیں بھی آسانی کے ساتھ منگوالی جارہی ہے، جہاں کمپیوٹر کے ذریعہ بہت ساری سہولتیں پیدا ہوئی ہیں وہیں کتابوں کے مطبوعہ جلدیں ہاتھوں میں اٹھائے پڑھنے کے بجائے پی، ڈی، ایف کی شکل میں پڑھی جارہی ہیں، اس سے یقیناً بڑی آسانی ہوگئی، اور نادر ونایاب کتابیں بھی دستیاب ہونے لگیں ہیں اور بغیر خرچ کے مفت میں کتابوں کو حاصل کرلیا جارہا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے مطالعہ کا جو حقیقی لطف اور مزہ تھا وہ نہیں رہا، اس کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن علم اور کتابوں کی خوبصورت دنیا کی ویرانی کا گلہ شکوہ بھی بجا ہے۔ کتب خانے خالی ہوتے جارہے ہیں، طبع شدہ کتابیں صرف چند افراد کے علاوہ کوئی لینے کے لئے تیار نہیں، ہر کوئی مفت کی کتاب کو کمپیوٹر یا موبائل میں ڈال کر پڑھ لینے کی فکر میں ہے۔ ایسے دور میں سعود عثمانی کا یہ شعر ذہن ودل کو جھنجھوڑ دیتا ہے اور آنے والے دور کی منظر کشی کرتا ہے کہ معلوم نہیں اب یہ حالت ہے تو آئندہ نسلیں کتابوں کو خرید کر پڑھے گی بھی یا نہیں، بلکہ مطبوعہ کتابوں کی جگہ کمپیوٹر اور موبائل کے اسکرین پر کتابوں کو دیکھا جائے گا۔ اس لئے سعود عثمانی کا یہ شعر ایک مرتبہ پھر دُہرایئے، اور جس سادگی اور بے ساختگی میں جو اہم اور پتے کی بات کہی گئی اس کو محسوس کیجیے ۔

کاغذ کی یہ مہک، یہ نشہ روٹھنے کو ہے
یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا حقیقی مزہ اس کی اصل شکل میں ہی ملتا ہے، کتابیں بھی ان ہی چیزوں میں سے ہیں، انسان کو بوقتِ ضرورت تو مطالعہ کے لئے موجودہ سہولت بخش طریقہ کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ بھی باضابطہ مطالعہ کے لئے سابقہ طرز کو باقی رکھنا اور اسی انداز میں کتابوں سے لطف اندوز ہونا بھی چاہیے، یہ صرف ایک روایت کی پاسداری نہیں ہے بلکہ حقیقی لطف ومزہ کے حاصل کرنے کا ایک وسیلہ بھی ہے۔ کتاب سفر وحضر کی بہترین رفیق ہے، کتاب کے ذریعہ علم ومعلومات کی دنیا میں رونق ہے، کتاب کے ذریعے عزت وعظمت ہے، انسان کبھی کتاب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ ہماری تاریخ میں ایسے ان گنت لوگ گزرے ہیں جنہیں کتابوں سے عشق تھا اور اپنی زندگی کا سب سے حسین تصور اس کو قرار دیتے کہ وہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھے کتاب کے مطالعہ میں غرق ہوں۔ ایسے بہت سے واقعات میں دو تین یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے اندر بھی احساسِ خفتہ بیدار ہوجائے اور جذبۂ تازہ نصیب ہوجائے۔

علامہ ابن جوزیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی بھی طرح بھی سیر نہیں ہوتی، جب بھی کوئی نئی کتاب نظر آجاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔۔اگر میں کہوں کہ میں نے زمانہ طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت سے زیادہ معلوم ہوگا۔ میں نے مدرسہ نظامیہ کے پورے کتابوں کا مطالعہ کیا، جس میں چھ ہزار کتابیں ہیں۔(قیمة الزمن عند العلماء:۶۱)

فتح بن خاقان خلیفہ عباسی المتوکل کے وزیر تھے، وہ اپنی آستین میں کوئی نہ کوئی کتاب رکھتے تھے اور جب سرکاری کاموں سے ذرا فرصت انہیں ملتی تو آستین سے کتاب نکال کر پڑھنے لگ جاتے۔

علامہ ابن رشدؒ کے بارے میں ہے کہ: وہ اپنی شعوری زندگی میں صرف دو راتوں کو مطالعہ نہیں کر سکے۔

جاحظ کے بارے میں ہے کہ: وہ کتاب فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے لیتے اور ساری رات کتابیں پڑھتے رہتے۔(شاہراہِ زندگی پر کامیابی کا سفر:۱۹)

جاحظ کے بارے میں ہے کہ: کتابوں کے جمگھٹے میں پڑے رہتے کہ ایک دن آس پاس رکھی ہوئی کتابیں آ گریں، مفلوج و بیمار جسم اٹھنے کی تاب کہاں لا سکتا تھا، اس طرح اپنی محبوب کتابوں میں ہی دب کر جان جانِ آفریں کے حوالہ کر دی۔(متاعِ وقت کاروانِ علم:۱۷۳)

مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے ذوق کے بارے میں فرماتے ہیں: میں آپ کو بتلاؤں میرے تخیل میں عیشِ زندگی کا سب سے بہترین تصور کیا ہو سکتا ہے؟ جاڑے کا موسم ہو اور جاڑا بھی قریب قریب درجہ انجماد کا، رات کا وقت ہو، آتشدان سے اونچے اونچے شعلے بھڑک رہے ہوں اور میں کمرے کی ساری مسندیں چھوڑ کر اس کے قریب بیٹھا ہوں اور پڑھنے یا لکھنے میں مشغول ہوں۔(حوالہ سابق)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب بیماری کے ایام میں تھے، اور غلط خبر افواہ بھی انتقال کی اڑ گئی تھی، اس موقع پر آپ کے شاگردوں علامہ شبیر عثمانی وغیرہ کا ایک وفد ملاقات کے لئے آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ نماز کی چوکی پر بیٹھے سامنے تکئے پر رکھی ہوئی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں، اور اندھیرے کی وجہ سے کتاب کی طرف جھکے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ سب حیران رہ گئے شاگردوں نے اس وقت مشقت نہ اٹھانے کی درخواست کی تو انہیں جواب دیا: بھائی ٹھیک کہتے، لیکن کتاب بھی ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں؟

غرض یہ کہ ایسے بہت سے تاریخ ساز افراد گزرے ہیں جنہیں کتابوں سے والہانہ تعلق تھا اور وہ ان کی محبوب دنیا تھی، آج کے اس دور میں ضرورت ہے کہ ہمارا رشتہ کتابوں سے، مطالعہ سے استوار رہے، اور سہولتوں کے باوجود ہم کتابوں کو پڑھنے والے اور باضابطہ لے کر مطالعہ کرنے والے بنیں، ہماری تھوڑی سی بے توجہی ایک عظیم خسارہ کا سبب ہوگی اور آنے والی نسلوں کو ہم پاکیزہ ذوق دینے اور علمی میراث کو منتقل کرنے سے محروم

رہیں گے۔ ہم نے سعود عثمانی ہی کے شعر سے اس تحریر کا آغاز کیا تھا اب اختتام بھی ان کے ایک خوبصورت شعر پر کرتے ہیں ۔

ایک کتاب سرہانے رکھ دی ایک چراغ ستارا کیا
مالک اس تنہائی میں تو نے کتنا خیال ہمارا کیا

نعتِ رسولِ پاک ﷺ

کاوش: مفتی اکرام الحسن مبشر قاسمی*

آپؐ کی نعتوں سے ملتا ہے قرارِ زندگی
نعت ہی پر ہے مرا دارو مدارِ زندگی

اس جہاں کی لٹ گئی تھی جو بہار و رونقیں
آپؐ نے دنیا کو بخشی وہ بہارِ زندگی

چند لمحوں میں زمیں سے عرش تک آقا گئے
رُک گئی تھی گردشِ لَیل ونہارِ زندگی

بے سہاروں کا سہارا ہیں پیمبر آپ ہی
غمزدوں کے آپؐ ہی ہیں غم گُسارِ زندگی

بُولَہب، عُتبہ کا کوئی نام تک لیتا نہیں
آپ کی ہستی ابھی تک ہے وقارِ زندگی

مجھ کو دے دو خاکِ طیبہ، اور مجھ کو کچھ نہ دو
ہے یہی میرے لیے نقش و نگارِ زندگی

عمر ساری کاٹ لیتا روبرو روضے کے میں
مجھ کو ملتا جو ذرا بھی اِختیارِ زندگی

آخری ہچکی سے پہلے سبز گنبد دیکھ لوں
اتنا ہو اکرؔام حاصل اعتبارِ زندگی

* استاذ شعبہ معہد الاشرف، اکبر باغ

راہِ حق قسط (۲)

مولانا فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹا پوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹاپور کے مایہ ناز مدرس اور منتظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کر دیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب

والد صاحب نے کہا کہ 'میں مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں، مجھے یہ طریقہ بہت اچھا لگتا ہے، مگر یہ بتلایئے کہ نماز میں محض اٹھتے بیٹھتے ہیں یا اس میں کچھ پڑھا بھی جاتا ہے؟ اگر کچھ پڑھا جاتا ہے تو وہ آپ مجھ کو سکھلا دیجیے۔ چنانچہ والد صاحب نے ان سے پوچھ کر سورہ فاتحہ اور چاروں قُل تیلگو میں لکھ لی اور اسے یاد کرلیا۔ جب اچھی طرح یاد ہوگئیں تو انھیں سے نماز کا بھی طریقہ سیکھا اور اپنے طور پر نماز پڑھنے لگے۔

جب نماز پڑھنا شروع کیا تو پاکیزگی کا بھی اہتمام کرنے لگے۔ چوں کہ گھر میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، کیوں کہ گھر میں دادا، دادی تھے، اور ان کے علاوہ تایا اور چچا وغیرہ بھی رہا کرتے تھے، اس لیے مصلی کی جگہ ایک چھوٹی سی شطرنجی اپنے ساتھ ہمیشہ رکھتے تھے۔ زرعی کاروبار کے سلسلے میں یا سیندھی کے سلسلے میں کہیں بھی جانا ہوتا خواہ تعلقہ پَرگی ہو یا شہر حیدرآباد، محبوب نگر ہو یا گلبرگہ، جہاں نماز کا وقت ہوتا وہیں شطرنجی بچھا کر نماز پڑھ لیتے، اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرتے۔

خواجہ صاحب نے داڑھی کے سلسلے میں بتادیا تھا کہ اسلام میں داڑھی رکھنا واجب ہے، حالاں کہ خود خواجہ صاحب داڑھی نہیں رکھتے تھے، مگر شعائر اسلام میں ہونے کی وجہ سے بتلا ضرور دیا۔ والد صاحب اسلام قبول کرنے سے قبل داڑھی کا بھی اہتمام کرنے لگے تھے اور پھر رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ بھی رکھا۔ یہ سب اعمال بقول والد صاحب کے محض اس لیے کرتے تھے کہ اندازہ کرسکیں کہ قبولِ اسلام کے بعد نماز کی پابندی، رمضان کے مہینہ میں دن بھر بھوکا پیاسا رہنا اور داڑھی منڈانے کی جو ابتدا ہی سے عادت ہے، اس کے خلاف

چہرے پر بال برداشت کرسکیں گے یا نہیں؟ ان اعمال کو اسلام سے قبل ہی عمداً کر کے دیکھ لیا، جب دل مطمئن ہوگیا کہ اب اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان اعمال کی ادائیگی اطمینانِ قلب کے ساتھ کرسکیں گے تو خواجہ صاحب سے کہا کہ 'میں نے خوب اچھی طرح پریکٹس کرلی ہے اور اپنے آپ کو ہر طرح سے ٹٹول کر دیکھ لیا ہے، اب میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اس کا طریقہ بتایئے اور یہ بتلایئے کہ اس کے لیے مجھے کیا خرچ کرنا پڑے گا؟ جو بھی طریقہ اور جو بھی خرچ ہو، میں اس کے لیے تیار ہوں۔' خواجہ صاحب نے مشورہ دیا کہ 'استاذ محترم مولانا حسام الدین قادری صاحب علیہ الرحمہ کے پاس چلتے ہیں جو اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں پروفیسر تھے۔ وقت کے زبردست عالم اور اللہ والے تھے۔ والد صاحب کو ان کا مشورہ پسند آیا اور دونوں حضرات آمادۂ سفر ہوئے۔

کشٹاپور سے حیدرآباد کی مسافت سو کلومیٹر ہے۔ اس وقت بسوں کی بہت زیادہ سہولت بھی نہیں تھی۔ صبح ایک بس حیدرآباد جاتی تھی اور شام میں چار بجے واپسی کی بس ملتی تھی۔ بہر کیف حیدرآباد کا سفر کر کے دونوں حضرات مولانا حسام الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے والد صاحب کا تعارف کرایا اور صورتِ حال عرض کی۔

والد صاحب چونکہ کنٹراکٹر تھے، گلبرگہ ڈیوژن کے بہت بڑے کچی تھے۔ اس وقت والد صاحب کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں اور کندھے پر بہترین قیمتی رومال بنارس کے کتان کا ہوا کرتا تھا، اور سر پر راجستھان کے رجواڑوں کی طرح سرخ شملہ باندھتے تھے، اور جسم پر بہترین کوٹ اور دھوتی ہوتی تھی۔ اسی ہیئت میں مولانا کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ مولانا نے والد صاحب کو دیکھ کر خواجہ صاحب سے کہا کہ 'بھائی یہ کن کو اپنے ساتھ لائے ہو؟ بڑا دیوہیکل آدمی معلوم ہورہا ہے۔' خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ 'یہ میرے بچپن کے دوست ہیں ،آپ کے دامن سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں اور اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔' مزید خواجہ صاحب نے اسلام کی طرف میلان اور قبولیت حق کے جذبہ کو تفصیل سے حضرت کے سامنے ذکر کیا۔ حضرت نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور کاروبار کے متعلق دریافت کیا۔ کاروبار کی پوری تفصیل حضرت کے سامنے رکھ دی گئی تو حضرت نے فرمایا کہ 'بھائی کلمہ پڑھنے کے بعد اس کاروبار کو ترک کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ 'حضرت! مجھے معلوم ہے کہ یہ چیز حرام ہے، لیکن مجبوری یہ ہے کہ ابھی میرا کنٹراکٹ باقی ہے جس کی مدت تقریباً پانچ چھ مہینے ہے۔ اگر میں ایسے ہی کاروبار چھوڑ دیتا ہوں تو مجھے بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا اور میں پریشان ہوجاؤں گا۔ سردست آپ مجھے کلمہ پڑھا دیجیے اور کنٹراکٹ کی مدت ختم ہونے تک کاروبار کی اجازت دیدیجیے، مدت ختم ہونے کے بعد از خود میں اس کاروبار سے دست کش ہوجاؤں گا اور ہمیشہ

کے لیے چھوڑ دوں گا۔' والد صاحب کی بات سن کر حضرت نے فرمایا کہ 'جناب چودھری صاحب! ہم کو کوئی اختیار نہیں کہ حرام چیز کو حلال کریں یا اس کے کاروبار کی اجازت دیں، یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر آپ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی اس کاروبار کو جاری رکھیں گے تو اصولی اعتبار سے آپ گناہگار ہوں گے۔ والد صاحب نے جب یہ بات سنی تو کہا کہ 'جب ایسی بات ہے کہ میں نہا بھی لوں، پاک بھی ہو جاؤں، پھر بھی گندگی جسم پر باقی رہے، تو اس سے بہتر ہے کہ میں چھ مہینے تک ایسے ہی رہتا ہوں، چھ مہینے کے بعد کاروبار ختم کر کے دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں ان شاء اللہ۔

والد صاحب نے یہ بات کہی اور رخصت کی اجازت چاہی۔ جب چلنے لگے تو جیب سے دس روپیہ نکال کر حضرت کو ہدیہ پیش کیا۔ حضرت نے انکار کر دیا کہ 'آپ کی آمدنی حلال نہیں، اس لیے میں اس کے لینے سے معذور ہوں۔' والد صاحب نے عرض کیا کہ 'حضرت! مجھے پہلے سے معلوم تھا اور اندازہ بھی تھا کہ آپ غلط چیز قبول نہیں کریں گے۔ میرا یہ ہدیہ حرام ذرائع سے حاصل شدہ نہیں ہے بلکہ یہ کاشتکاری کا ہے۔ میں ہر سال کاشت کرتا ہوں اور خاصا اناج پیدا ہوتا ہے۔ اسی میں سے کچھ اناج بیچ کر آپ کے پاس آنے کے اخراجات اور ہدیہ کی رقم مہیا کی ہے، آپ اسے قبول فرمالیں۔' اس وضاحت کے بعد حضرت نے ہدیہ قبول کر لیا اور والد صاحب رخصت ہو کر وطن واپس آ گئے۔

جب چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا اور والد صاحب نے اپنے آپ کو اس کاروبار سے یکسو کر لیا تو تعلقہ گلبرگہ ڈیوژن میں تہلکہ مچ گیا۔ جو لوگ والد صاحب کے مقابلہ میں کنٹراکٹ چھڑانا چاہتے تھے اور والد صاحب ان کے لیے دردسر بن جاتے تھے، جب اِس مرتبہ ہراج کی بولی (شراب کی نیلامی) میں والد صاحب شامل نہیں ہوئے تو کنٹراکٹروں نے بہت خوشیاں منائیں کہ آج ہمارا راستہ صاف ہو گیا۔

کنٹراکٹ کی مدت پوری ہوئی تو حسبِ وعدہ والد صاحب خواجہ صاحب کے پاس پہنچے کہ ان کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں اور ایمان کی دولت بے بہا کو حاصل کریں، مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس مدت میں حضرت مولانا حسام الدین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ بھائی! حضرت اب اس دنیا میں نہیں رہے، البتہ ان کے ہونہار صاحبزادے مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب جن کو لوگ عاقل صاحب کہتے ہیں، جو حضرت کے جانشین اور قائم مقام ہیں، ان سے رجوع کرتے ہیں۔ ابھی جانے کا پروگرام بن ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ تانڈور کی بستی میں سیرت النبی ﷺ کے عنوان سے مولانا عاقل صاحب کی زیر صدارت ایک جلسہ ہونے والا ہے۔ ارادہ ہوا کہ حیدرآباد جانے کے بجائے ان سے تانڈور میں جا کر مل لیں اور وہیں ان کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ لیں۔ (جاری۔۔۔۔۔)

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمیؒ

درد سرمایہ تھا اخلاص تھا دولت جن کی

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حیاتِ مستعار کے یہ چند لمحے رب ذو الجلال کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ جو لوگ اس نعمت کو اللہ رب العزت کی امانت سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، وہ ہر عیش سے منہ موڑ کر، ہر صعوبت برداشت کرتے ہوئے تادمِ آخر مقاصدِ حسنہ کے لیے تن من دھن کی بازی لگادیتے ہیں اور تاریخ کے پنوں میں شہیدوں کی طرح سرخرو ہوجاتے ہیں۔ رہبر ملت حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی رحمہ اللہ بھی ایسے ہی منفرد انسانوں میں سے ایک تھے؛ جو قحطِ اقدار و انہدامِ روایات کے اس دور میں انسانیت کے سچے علم بردار اور قوم وملت کے رہبر بے مثال تھے، آپ احیائے دین ہی کے لیے زندہ رہے، اسمی اور رسمی مسلمانوں کو سچا اور کھرا مسلمان بنانے کے لیے دن رات جدوجہد کرتے رہے، ساتھ ہی سنت اللہ کے مطابق اس راہ کی مصیبتیں ومشقتیں جھیلتے رہے بالآخر اسی مقدس جدوجہد میں اللہ کو پیارے ہوگئے، آپ کیا گئے کہ دین وسیاست کے دونوں میدان سونے پڑ گئے، اور ہم زبان حال وقال سے یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ؎

ہوائیں بے قرار ہیں، فضائیں سوگوار ہیں
ہر آنکھ اشکبار ہے، ہر ایک دل اداس ہے

مولانا سرزمین بہار کی ان گراں قدر شخصیتوں میں سے ایک تھے؛ جن کے تصور سے اس ظلمت بھرے دور میں دل کو ڈھارس اور قلب کو تقویت ملتی تھی اور جن کے خیال سے اپنے عہد کے افلاس کا احساس کم ہوتا تھا، آج ہم اس دل آویز و دل نواز شخصیت اور اس کی برکتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ میرے پیش نظر ان کی کتابِ زیست کے اَن گنت اوراق کھلے ہیں اور میں اس کشمکش میں ہوں کہ ان کی درخشاں زندگی کے کس پہلو کو نمایاں کروں؟ کس گوشے پر روشنی ڈالوں؟ کس عنوان پر خامہ فرسائی کروں؟ سچ تو یہ ہے کہ الفاظ کا ذخیرہ اور قلم کا سہارا زیادہ دیر اور بہت دور تک جذبات کا ساتھ نہیں دیتا ورنہ صرف درویش صفت کہنا، فقیر منش کا عنوان

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دینا، سادگی کا پیکر جمیل بتلانا، بہترین مدرس، عظیم مفکر، کامیاب مقرر اور بے مثال رہبر کا خطاب دینا کم از کم میری نظر میں مولانا کی عظیم و جامع کمالات شخصیت کے ساتھ ناانصافی کے مرادف ہے، حق تو یہ ہے کہ وہ ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ ایک روشن ضمیر انسان تھے، ہمدرد ملک وملت تھے، بلاتفریق مذہب ومسلک اعلی انسانی اقدار کو فروغ دینے والے تھے۔ آپ کی ہمہ جہت، متحرک وفعال شخصیت نے دین وملت کے حوالے سے جو یادگار خدمات انجام دی ہیں اس کا سرسری اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جہاں آل انڈیا ملی وتعلیمی فاؤنڈیشن کے بانی وچیرمین اور آل انڈیا ملی کونسل کے نائب صدر رہتے، وہیں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن رکین اور ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ بھی تھے، آپ نصف صدی تک ملت اسلامیہ کی بے لوث خدمت کرنے والے جاں باز لیڈر، ایوان پارلیمنٹ میں اسلامیان ہند کی نمائندگی کرنے والے جرأت مند سیاست داں، زبان وقلم کے ذریعہ مسلسل تبلیغ وتذکیر کا فریضہ انجام دینے والے شیریں بیاں خطیب وبے باک صحافی، مختلف دینی، ملی اور سماجی تحریکوں کے روح رواں اور میر کارواں نیز ملّت اسلامیہ اور فلاح انسانی کے سب سے بڑے نقیب اور خدمت خلق کے عظیم الشان مشن کو لے کر آگے چلنے والے غیرت مند قائد تھے۔

7 ؍ڈسمبر 2018ء کی تاریخ کیلنڈر کی بہت سی تاریخوں میں سے ایک تاریخ ہی نہیں تھی؛ بلکہ صدق وصفا اور عہد ووفا کی تکمیل کا بھی دن تھا، ان کا وجود کیا گیا، ایک دور چلا گیا، ایک تاریخ رخصت ہوگئی، ایک عہد گذر گیا، ایک تحریک اجڑ گئی، ایک ہنگامہ اوجھل ہوگیا۔۔۔ اب فضا ساکن، ہوا ساکت، صبا دم بخود اور انسانیت اداس ہے۔ کہنے والوں نے سچ کہا کہ عظیم انسان ہر روز پیدا نہیں ہوا کرتے، سینۂ گیتی ان کو روز بروز جنم نہیں دیتی، ایسے انسانوں کے لیے تاریخ کو مدتوں انتظار کرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر ایک حقیقی انسان وجود میں آتا ہے جو عظمت کے معیار پر پورا نہیں اترتا؛ بلکہ اس کو دیکھ کر عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

شخصی کوائف:

آپ کی ولادت 15 ؍فروری 1942ء کو تارا باری، کشن گنج، بہار میں، جناب منشی عمید اور محترمہ آمنہ خاتون کے گھر ہوئی۔ علاقائی مدارس میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد، برصغیر کی سب سے عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وقت کے اساطین علم وفضل سے استفادہ فرمایا، آپ کے اساتذہ میں فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحبؒ، مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا شریف الحسن صاحبؒ، قاری محمد طیب

صاحبؒ اور مولانا انظر شاہ کشمیریؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ 1964 میں آپ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ 16 مئی 1965 کو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے، فراغت کے بعد، آپؒ نے خدمت کے لیے تدریسی میدان کا انتخاب کیا۔ اوّلاً آپؒ نے ''مدرسہ رحیمہ، مدھے پورہ'' میں تدریسی خدمات انجام دی۔ پھر سن 1968 میں ''مدرسہ بدرالاسلام، بیگوسرائے'' سے وابستہ ہو گئے۔ آپؒ نے اس ادارہ میں 1973 تک تدریس کے عالی شغل سے وابستہ رہے پھر سبک دوش ہو کر ملی مفادات کے لیے فکرمند ہو گئے۔

ظاہری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ احوال باطن سے کبھی بے خبر نہ رہے؛ بل کہ تزکیہ واصلاح کے سلسلہ میں اوّلاً مفتی مظفر حسین صاحبؒ، سابق ناظم مظاہر علوم (قدیم) سے ربط قائم کیا اور مفتی صاحبؒ نے آپؒ کو خلافت سے نوازا پھر ان کی وفات کے بعد، شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی سے منسلک ہو گئے اور شیخ الہ آبادی نے بھی آپؒ کو اجازت سے سرفراز فرمایا۔

آپؒ کی اہلیہ محترمہ 9/جولائی 2012 کو انتقال کر گئیں۔ آپؒ کے پسماندگان میں تین لڑکے: جناب سہیل اسرار، مولانا سعود اسرار ندوی ازہری اور جناب فہد اسرار صاحبان اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔

بے لوث خدمات:

تکمیل علم کے بعد چند سال مسند تدریس پر جلوہ گر رہ کر 1974ء میں جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوئے اور سب سے پہلے سرگرم ومتحرک رکن کی حیثیت سے پھر سکریٹری اور جنرل سکریٹری کی حیثیت سے پورے ملک میں دینی وملی خدمات انجام دیں، بعض اسباب و وجوہات کے سبب جمعیۃ سے علیحدگی اختیار کر لی اور حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے ساتھ مل کر آل انڈیا ملی کاؤنسل کی بنیاد رکھی اور ملک بھر میں ملی اتحاد کی زبردست تحریک چلائی، 5/مئی 2000ء میں آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لایا اور سیمانچل کے پسماندہ علاقوں میں تعلیمی وسماجی ترقی کے لئے ہر ممکن اقدامات کیے، اسی کے تحت بعض ادارے اور کئی ایک مکاتب بھی قائم فرمائے، آپ اسی کے ذریعہ انجینئرنگ کالج قائم کرنے کے لئے بھی کوشاں رہے۔ اسی طرح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شاخ کشن گنج میں قائم کرنے میں آپ کی کوششیں بہت نمایاں تھیں۔ حسن گنج کٹیہار میں 2006 میں تعلیمی بیداری کانفرنس کے موقع پر آپ نے پورے سیمانچل کو اختیار دیا تھا کہ ہر گاؤں میں ایک ایک مکتب کھولا جائے، جس کے اخراجات خود ہی برداشت کریں گے اور اس کے لئے آپ نے تقریباً 150 معلمین کا انتخاب بھی فرمایا۔

آپؒ نے خاص کر لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ٹپو، کشن گنج میں "ملی گرلز اسکول" بھی قائم کیا۔ اس ادارے میں

سیکڑوں لڑکیاں، اسلامی ماحول میں عمدہ تعلیم وتربیت حاصل کررہی ہیں۔ اسکول میں دارالاقامہ کے ساتھ ساتھ ہرطرح کی عصری تعلیمی سہولیات بھی دستیاب ہیں، یہ اسکول اس علاقے میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔

متعدد سرگرمیوں کے بعد 2009ء میں کشن گنج سے کانگریس کے ایم پی منتخب ہوئے اور پھر 2014ء میں بھی جبکہ بھاجپا کا طوطی بول رہا تھا، کامیابی کا پرچم بلند کیا۔ ایم پی فنڈ سے آپ نے ہزاروں گھر روشن کیے، پسماندہ علاقوں میں تعلیم کا بندوبست کیا اور غرباء پروری میں ساری عمر گزار دی، ملک کے کسی بھی کونے سے کوئی بھی فرد، ملت کے کسی معمولی سے کام کے لیے بھی مدعو کرتا تو آپ ضرور حاضری دیتے اور ذاتی آرام وراحت پر جسمانی تکالیف وکلفت کو ترجیح دیتے۔ ان سب کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ آپ کی ذات سے کسی کا کچھ بھلا ہو جائے ''خير الناس من ينفع الناس''۔

محترم مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی زید مجدہم کی تحریر کے مطابق مولانا اسرار الحقؒ نے دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے لیے متعدد ممالک کے اسفار بھی کیے؛ جن میں بحرین، بوٹ سوانہ، عراق، سعودی عرب، ملاوی، جنوبی افریقہ، متحدہ عرب امارات، برطانیہ، ویسٹ انڈیز اور زامبیا وغیرہ کے اسفار قابل ذکر ہیں، آپ ۳۱/اگست ۲۰۰۹ء کو داخلی معاملات سے متعلق کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے، یکم ستمبر ۲۰۱۴ء کو انڈسٹری اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر بنائے گیے نیز فروغ انسانی وسائل، اقلیتی معاملات سے متعلق کمیٹی جواہر لال نہرو یونیورسٹی اور علی گڈھ مسلم یونیورسیٹی علی گڈھ کورٹ کے ممبر بھی رہے۔

مولانا کی خدمت کا ایک بڑا میدان تصنیف وتالیف اور سلگتے مسائل پر مضامین ومقالات کی اشاعت بھی تھی، ان کی کتابیں: انسانی اقدار، اسلام اور سوسائٹی (انگریزی)، مسلم پرسنل لا اور ہندوستان، اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں، معاشرہ اور اسلام، دین فطرت ہندوستانی مسلمان اور ان کی ذمہ داریاں، عورت اور مسلم معاشرہ، خطبات لسسٹر، حقیقت نماز، دعا عبادت بھی حل مشکلات بھی، وغیرہ اپنے اندر غیر معمولی تاثیر رکھتی ہیں ان کے علاوہ ہزاروں مضامین ومقالات اخبارات میں منتشر ہیں جن کو جمع کیا جائے تو متعدد جلدوں میں کئی ایک ضخیم کتابیں تیار ہوسکتی ہیں۔

سال گذشتہ جب سیمانچل کے 70 لاکھ لوگ سیلاب کی زد میں تھے، لاکھوں افراد گھر سے بے گھر ہو چکے تھے، رہنے اور سونے کے لئے جگہ تک میسر نہیں تھی، بہار کی طرف جانے اور آنے والی بہت سی ٹرینیں منسوخ کردی گئی تھیں، ریلوے اور ٹرانسپوٹ کا پورا نظام بری طرح متاثر تھا، اس کے باوجود محض انسانی ہمدردی اور غمخواری کے ناطے مولانا اسرار الحقؒ نے پیرانہ سالی اور امراض وعوارض کی پرواہ کیے بغیر کٹھن راستوں سے

گزرتے ہوئے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور بلا تفریق امداد رسانی کے ذریعہ ایک تاریخ رقم فرمائی۔

غرض آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، آپ کے ہم وطن اہل قلم حضرات پر یہ قرض ہے کہ وہ مولانا کی ہمہ گیر خدمات کو اجاگر کریں اور ہمہ جہت شخصیت پر بالتفصیل روشنی ڈالیں۔

قابل تقلید اوصاف:

حضرت مولانا کی ذات والا صفات یادگار سلف تھی، علم وفضل اور طہارت وتقوی کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود آپ سادگی اور تواضع وانکساری کا ایسا پیکر مجسم تھے کہ عجب وریا کے اس دور میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے لباس، کھانے پینے، رہن سہن اور سفر وحضر میں سادگی کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ تکلفات اور تعیش کے لئے ان کے پاس وسائل نہیں تھے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود انہوں نے سادگی کا رویہ اپنا کر دراصل تکلف پرست اور عیش زدہ معاشرے کو سادگی کا ایک عملی نمونہ دینے کی کوشش کی۔

ہم ایسی کئی رفاہی وفلاحی تنظیموں کے سربراہوں کو جانتے ہیں جو غریبوں کی خدمت کے لئے دن رات کام کا دعویٰ کرتے ہیں، لوگوں کو تعاون دینے پر آمادہ کرتے ہیں اور مختلف حیلے بہانوں سے چندے کی رقم بٹور کر عالی شان گھروں میں رہائش اختیار کرنے، اچھا لباس پہننے، معیاری کھانا کھانے اور قیمتی گاڑیوں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؛ لیکن حضرت مولانا پر اس طرح کا کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا، ان کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ انہوں نے ساری عمر دیہات کے ایک حصہ میں گزار دی، لوگوں نے انہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر، مفلوک الحال لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر غم باٹتے بھی دیکھا۔ یہ ان کی سادگی اور خلوص ہی تھا جس نے انہیں لوگوں میں مقبول بنادیا تھا، ان کی ایک آواز پر لوگ اپنی جان نچھاور کردینے کو تیار ہوجایا کرتے تھے۔ گویا وہ نظری نہیں، عملی اسلام کے پیکر تھے۔

مولانا کی آخری زیارت ونصیحت:

حضرت مولانا کی چشم کشا اور روح افزا تحریروں سے استفادہ کا سلسلہ تو کافی دراز ہے، البتہ راقم الحروف کے حصہ میں بارہا یہ سعادت بھی آئی کہ مولانا کو دیکھے، سنے اور ملاقات ومصافحہ کرے، آخری مرتبہ مولانا کو دیکھنے اور سننے کا موقع اس وقت ملا جب وہ چند ماہ قبل مادر علمی ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ حیدرآباد تشریف لائے، مولانا کا اخیر زمانے میں تقریباً یہ معمول بن چکا تھا کہ جب کبھی حیدرآباد آتے تو حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ (ناظم ادارہ اشرف العلوم) سے تعلق خاطر کی بناء پر کچھ دیر کے لیے سہی ادارہ میں بھی قدم رنجہ

فرماتے اور موقع ہوتا تو طلبہ واساتذہ کو نصیحتوں سے نوازتے۔

اس مرتبہ جب نصیحت کے لیے گزارش کی گئ تو ادارہ کی وسیع وخوب صورت مسجد میں طلبہ واساتذہ سے نہایت جامع اور مؤثر خطاب فرمایا، مکمل خطاب تو من وعن یاد نہیں؛ تاہم وراثت نبوت کی اہمیت اور علم وعلماء کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جو نکتہ بیان فرمایا تھا وہ اب بھی یاد ہے، فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کی متعدد صفات قرآن میں بیان فرمائی ہیں رؤوف، رحیم، داعی، بشیر، نذیر وغیرہ ان میں ایک اہم صفت "سراج منیر" بھی ہے، غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو شمع فروزاں کہا یعنی روشن چراغ سے تشبیہ دی، اس لیے کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں، روشنی پھیلتی ہے اور ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں، چاند سے چاند نہیں جلتا، ستاروں سے ستارے نہیں چمکتے۔

ٹھیک اسی طرح ہمیں بھی وارث نبی بن کر دنیا کے اندھیروں میں اجالوں کو فروغ دینے اور تاریکیوں کو ختم کر کے روشنی کو پھیلانے کی ذمہ داری دی گئی ہے، اگر ہم یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نبھاتے ہیں تو ہم دارین میں کامیاب و بامرام ہیں ورنہ دونوں جگہ ذلت ورسوائی ہمارا مقدر ہوگی۔

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا

فقہ وفتاویٰ

وضو سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

اگر وضو کے دوران دانتوں سے خون نکلے

سوال: اگر کسی کے دانتوں سے وضو کے بعد ہی خون نکلتا ہے، دوبارہ وضو کرنے پر پھر خون نکلنا شروع ہوجاتا ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب: صورت مسئولہ میں اس کو چاہئے کہ خون بند ہونے کا انتظار کرے اور خون بند ہونے کے بعد احتیاط سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔ (کتاب النوازل: ۳/ ۱۱۴)

مسوڑھوں سے خون نکلنا

سوال: کبھی کبھی بعد وضو مسوڑوں سے خون نکل آتا ہے، اور نماز کا وقت بھی کم رہ جائے تو ایسا شخص کیا کرے؟

جواب: مسوڑوں سے اگر اتنا خون نکلے کے تھوک پر غالب آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگر چہ کہ نماز کا وقت کم رہ جائے، لیکن اگر معمولی سی سرخی ظاہر ہو، اور تھوک پر غالب نہ ہو تو وہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(درمختار مع الشامی: ۱/ ۲۶۷، زکریا)

دورانِ وضو ریح کا خارج ہونا

سوال: اگر وضو کے دوران ریح خارج ہوجائے تو کیا وضو جاری رکھے یا پھر سے دوبارہ وضو کرنا چاہیے؟

جواب: دورانِ وضو اگر ریح خارج ہوجائے یا اور کوئی ناقضِ وضو پیش آجائے تو ایسی صورت میں از سرِ نو وضو کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۶۰)

دورانِ نماز پیشاب کا قطرہ نکلنا

سوال: اگر پیشاب کا قطرہ شرم گاہ میں آکر رُک جائے اور باہر نہ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اور کبھی دورانِ نماز قطرہ نکلنے کے بارے میں شک ہو بعد میں پائے جامہ میں پیشاب کی ہلکی سی بو آرہی ہو تو وہ نماز دہرائی جائے گی یا نہیں؟

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: جب تک پیشاب کا قطرہ شرم گاہ سے باہر ظاہر نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا، اور دورانِ نماز قطرہ آنے میں شک تھا لیکن بعد میں پیشاب کی بو آنے سے یہ شک یقین میں تبدیل ہوگیا تو وضو ٹوٹ گیا، لہذا وہ نماز کو دہرائے۔ (کتاب النوازل: ۳/ ۱۱۸)

دورانِ وضو عورت کی کُہنی کھلنا

سوال: ایک عورت نے وضو کیا، پھر اس کے بعد اس عورت کی کُہنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقت تک کھلی رہی، تو اب اس عورت کا وضو باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ کیا عورت اس وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب: وضو کے بعد محض کُہنی کھلنے سے یا کوئی دوسرا عضو جو ستر میں داخل ہے کُھل جانے سے عورت کا وضو نہیں ٹوٹتا، لہذا وہ اسی وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے۔ (کتاب النوازل: ۳/ ۱۲۲)

گالی بکنے سے وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

سوال: کیا گالی بکنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: گالی دینا اگرچہ یہ ایک بُرا فعل اور گناہ ہے لیکن اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ وضو کر لینا بہتر ہے۔

(کتاب النوازل: ۳/ ۱۲۲)

نائلون کے موزے پر مسح

سوال: آج کل نائلون کے موزے پر مسح کرنے کا رواج ہے، بعض لوگ بغیر وضو پہنے ہوئے موزوں پر وضو کے وقت مسح کر لیتے ہیں، اور بعض جوتوں پر مسح کرتے ہیں، اور بعض لوگ پاؤں پر مسح کر لیتے ہیں، اُن کا کیا حکم ہے؟

جواب: سوتی یا نائلون کے باریک موزوں (جن میں پانی سرایت کر جاتا ہو) پر مسح کسی بھی حال میں جائز نہیں، چاہے انہیں وضو کی حالت میں پہنا ہو یا بے وضو پہنا ہو، اور جوتوں پر مسح کرنے سے اور صرف پاؤں پر مسح کر لینے سے وضو نہیں ہوتا۔ (کتاب النوازل: ۳/ ۱۳۸)

سوال: بعض افراد چہرہ دھوتے وقت صابن لگاتے ہیں تو کیا یہ طریقہ وضو کی سنتِ ولا (پے در پے اعضاء دھونے) کے چھوٹنے کا سبب تو نہیں ہے؟

جواب: صابن لگانا وضو کے اعمال میں سے نہیں ہے، لہذا وضو کے دوران اگر کوئی عضو صابن سے مَل کر دھویا جائے، تو اس کی وجہ سے اعضاءِ وضو کو پے در پے دھونے کی سنت ترک ہوجائے گی، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اولاً ترتیب وار وضو کر لیا جائے، اگر اس کے بعد ضرورت ہو تو صابن سے دھویا جائے۔ (کتاب النوازل: ۳/ ۸۸)

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ سعودی عرب میں سگریٹ نوشی سے متعلق نیا قانون نافذ، مساجد کے اطراف، وزارتوں، سرکاری فیکٹریوں، سرکاری اداروں، تعلیمی اداروں، صحت، ثقافتی، سماجی، فلاحی و کھیل کود کے اداروں اور عوام مقامات پر سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کردی گئی۔ (روزنامہ اعتماد، ۳؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ مسلمان القدس کے دفاع کے لئے متحد ہو جائیں، مسجد اقصیٰ مسلم اُمہ کی امانت ہے، تقسیم کی کوئی سازش قبول نہیں۔ اردن (روزنامہ اعتماد، ۷؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ غزہ کے محصورین کے لئے ترکی کا ساڑھے آٹھ ٹن ادویات کا عطیہ (روزنامہ اعتماد، ۷؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ چین میں تقریباً دو ملین یغور مسلمان خفیہ حراستی مراکز میں محروس؛ امریکی عہدیدار کی رپورٹ (روزنامہ اعتماد، ۷؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ تین دن میں ۲۰؍ ہزار شامی شہریوں کی ادلب میں نقل مکانی۔ اقوام متحدہ (روزنامہ اعتماد، ۸؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ غزہ کے لگ بھگ ۳۰؍ ہزار سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی قطر حکومت کے ایک خصوصی عطیہ سے کی گئی۔ (روزنامہ اعتماد، ۹؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ یمن میں دو کروڑ افراد فاقہ کشی کا شکار (روزنامہ سیاست، ۱۱؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ فلسطین میں مقدس مقامات اور عبادت گاہوں کو خطرہ، مفتی اعظم فلسطین۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۳؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ دمشق میں ۳۰؍ ہزار یتیم بچوں کا اندارج؛ شامی وزارت سماجی امور (روزنامہ اعتماد، ۱۷؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ شام سے امریکی فوج کی واپسی کے بعد داعش کے خلاف جنگ ترکی لڑے گا۔ اردگان (روزنامہ سیاست، ۲۳؍ڈسمبر ۱۸ء)

✷ عالمی ادارہ خوراک نے فلسطینیوں کو خوراک کی فراہمی بند کردی۔ (روزنامہ سیاست، ۲۲؍ڈسمبر ۱۸ء)